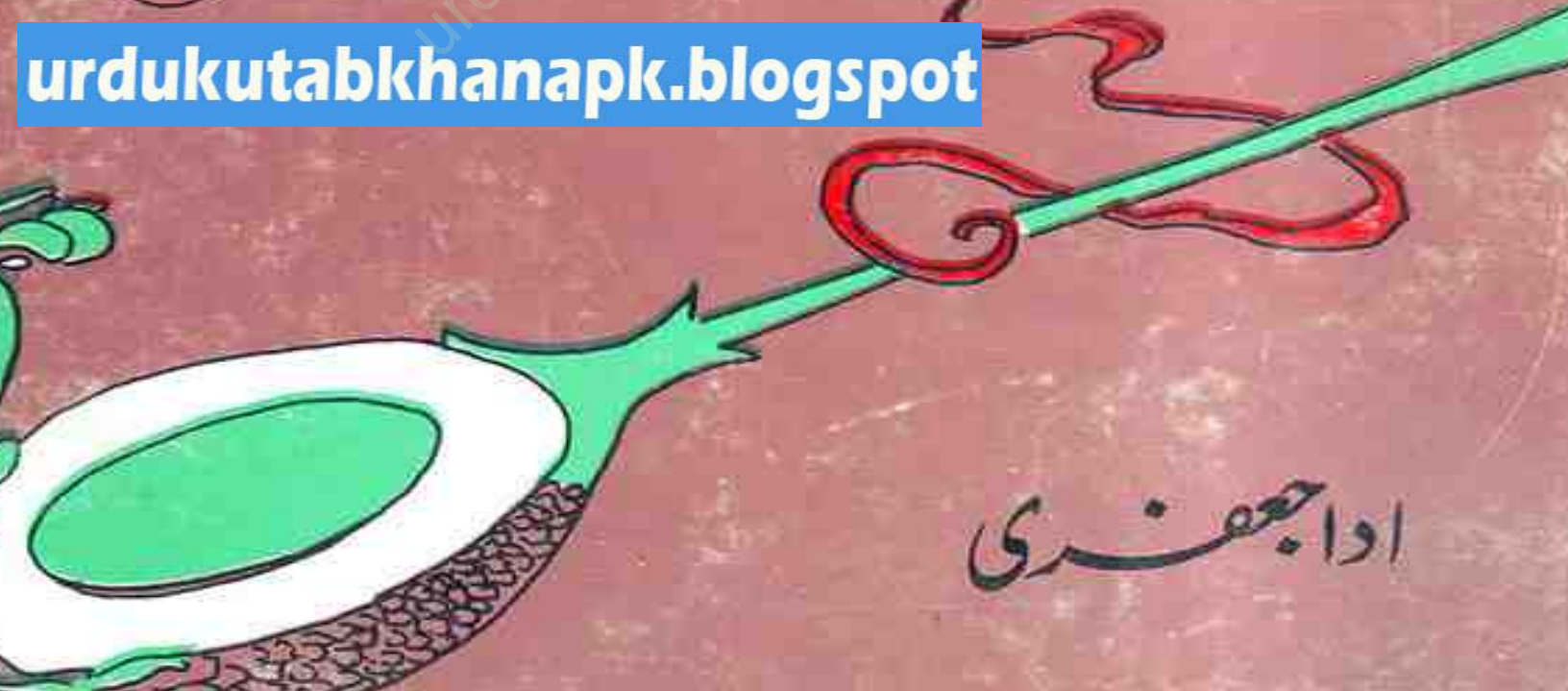


یہ سارا دھویتی تارہی

urdukutabkhanapk.blogspot



اداجعفری

میں ساز ڈھونڈتی رہی

ادا جعفری (بدایونی)



اردو کتب خانہ

URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT

غالب پبلشرز



فہرس

انتساب	تقریب تیرے یاد آنے کی	۴۸
دیباچہ	جھیل	۵۱
پیش لفظ	صبحِ بنارس	۵۴
احاسِ اولیں	نا آراستہ حُسن	۵۹
محبت	ایک تصویر دیکھ کر	۶۱
یہ آنسو؟	پرویں کے نام	۶۹
ان کی شکایتوں کا.....	بہار کا راگ	۷۱
عیدِ نظارہ	تجدید	۷۲
غزل	اشعار	۷۵
جوہی کی کلیاں	یادِ ماضی	۷۶
بہار کا پہلا پھول	التفاتِ گریزاں	۷۹

۱۲۴	غزل	۸۱	نئی مریج طوفان
۱۲۵	میرے محبوب	۸۲	غزل
۱۲۸	غزل	۸۶	خیر مقدم
۱۳۰	قافلے	۹۱	تقریر نو
۱۳۲	اک ذرا صبر	۹۳	کم یاب نگاہیں
۱۳۶	شکریہ	۹۴	نقش برآب
۱۳۸	غزل	۹۷	بیزاری
۱۴۰	میں ساز ڈھونڈتی رہی	۱۰۰	یہ مرے دل کو ...
۱۴۲	غزل	۱۰۳	لہزاں سائے
۱۴۵	سہارا	۱۰۸	شکست ساز
۱۴۸	غزل	۱۱۰	بیان وفا
۱۵۰	نقرئی دھند کے	۱۱۳	اعتذار
۱۵۲	دوین کمل	۱۱۵	تنہائی
۱۵۵	شگوفے	۱۱۷	یہ جیون یونہی بیٹے گا
۱۵۷	غزل	۱۱۹	پرچھائیاں
۱۶۰	غزل	۱۲۱	افق کے پار

جمال بھائی کے نام



اُردو کُتب خانہ

URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT

انیسویں صدی کا نصف آخر علم و ادب اور فنون کی ترقیوں کا ایک
ایسا دور تھا جب مغربی دنیا سارے عالم کے فوز و فلاح کی گویا اجارہ دار بن چکی
تھی۔ وہ وقت جاگیر داری اور سامراجی نظام کا نصف النہار تھا لیکن خود مغربی
منکرین کے حلقوں میں کچھ اصحاب فکر و نظر ایسے بھی تھے جو تہذیب و تمدن کی اس
تغیر کو استوار نہ سمجھتے تھے اور اُفق پر آنے والی آمدنی کا غبار انہیں صاف نظر
آ رہا تھا۔ اس وقت انگریز ادیب اور شاعر اور منکرین میتھیو آرنلڈ نے لکھا تھا:
ہم لوگ دو دنیاؤں کے درمیان کھڑے ہیں۔ ایک تو مرچکی اور دوسری
میں ابھی اتنی قوت نہیں کہ بیدار ہو سکے۔"

کوئی شاعر اور منکرین گزرتی ہوئی دنیا اور آنے والی دنیا کے امکانات کے
متعلق اس قدر صحیح پیش قیاسی کر سکتا ہے لیکن میتھیو آرنلڈ کی نظر میں جو دنیا مرچکی تھی

^
 دلپے کفن میں بھی اپنے کو سب سے زیادہ زندہ سمجھ رہی تھی! البتہ شاعر ایک
 دوسری دنیا کا انتظار کر رہا تھا جس میں ابھی قوتِ نو پیدا ہوئی تھی۔
 کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا جب میتیوارڈ نے آتے والی دنیا کا
 ذکر کیا تھا لیکن آج اس کا وہ تصور ایک انقلابی اور متحرک زندگی کے
 قالب میں سما کر سامنے آچکا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے تصور کی وہ دنیا
 جس میں نصف صدی پہلے پیدا ہونے کی قوت نہ تھی آج پیدا ہو چکی ہے
 اب ہم دو دنیاؤں کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں، بلکہ ایک ایسی نئی
 دنیا کی ہجرتی کیفیت سے اپنا حصہ پار ہے ہیں جو ہر قدم پر قدیم تہذیب و تمدن
 کے غرور سے انتقام لے رہی ہے۔

یہ تصور بھی غلط ہے کہ کوئی شاعر اپنے وقت سے پہلے یا بعد پیدا ہو سکتا
 ہے۔ حسن کار ادیب اور شاعر اپنے وقت اور زمانہ کی اولاد ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے
 آرٹ میں اپنے وقت کے صحیح نقش و نگار پیش نہ کر سکے تو وہ فن کار یا حسن کار
 تو ہو سکتا ہے مگر ترجمانِ حقیقت نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان اپنے اس انقلابی
 دور میں ایسے ادیب اور حسن کار پیدا کر رہا ہے جو اپنے قلوب سے نئی دنیا
 کے صحیح عکس کو اپنی شاعری اور اپنے ادب میں منتقل کر سکتے ہیں۔ ہمارے ملک
 کا ادب بیسویں صدی کے آغاز تک بھی اس سرمایہ داری اور جاگیر داری اور
 ساہوکاری کے قدیم دور کی گود میں پرورش پاتا رہا جو مخصوص طبقات کی بالادستی کا
 دور تھا لیکن جب خود مغربی دنیا میں ساہوکار اور جاگیردار اور کلیساؤں اقتدار کے اجارہ دار

اپنے سماجی نظام کے خلاف شاعری اور ادب کی بغاوت کو دبانہ سکے تو اس
 بغاوت کا اثر ایشیا کے ممالک پر بھی پڑنا شروع ہوا۔ اس دورِ جدید میں ایشیائی
 ادب جس قدر روسی انقلاب سے متاثر ہوا کسی دوسری تحریک سے متاثر نہ
 ہو سکا۔ روسی افکار کے انقلاب میں ایک ناقابلِ انکار قوت تھی جس نے
 کم و بیش تمام ایشیائی ممالک میں (جو جاگیر داری نظم زندگی کی زنجیروں میں
 بندھے ہوئے تھے) انقلابی افکار کی تخم ریزی کی اور محض تفریحی اور فراری
 ادب اور اس کی وجدانی نزاکتوں اور فنی باریکیوں کے بجائے ایک ایسے علمی
 ادب کی تعمیر شروع کی جس نے عوام کی نبھن حیات سے اپنا ایک گہرا ربط قائم کیا۔

ہندوستان میں جس طرح کم و بیش تمام دنیا کے ممالک میں عورت تہذیب
 تمدن کے ترکہ سے ہمیشہ محروم رکھی گئی۔ سماج کے لیے قانون سازی کا حق مردوں
 نے صرف اپنے لیے مخصوص رکھا تھا۔ اس لیے عورت نے ہمیشہ ایک ایسے ماحول
 میں تربیت پائی کہ اس کے اندر زندگی کے بہت سے حقوق سے اپنی محرومی
 کا احساس بھی نہ پیدا ہو سکا۔ وہ سماج کے ایک آہنی پتھر سے میں بند رکھی گئی اور
 مرد نے اسے نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی اعتبار سے بھی صنفِ ضعیف قرار دیا۔ ہندوستان
 کی طرح ان ممالک میں جو بیسویں صدی کے انقلاب کے دھارے سے دور تھے
 عورتوں کے اس جبرِ تعطل کی تاریکی میں روشنی کی شعاعیں بہت دیریں پہنچیں
 لیکن بالآخر وہ دن آیا جب ہم عمومی ادب میں چند ایسی خواتین کا نام بھی دیکھنے لگے
 جن کے شاعرانہ افکار کو انقلابی افکار نے مس کیا تھا۔ ہمارے ملک میں ابھی ایسی

خواتین کی تعداد بہت کم ہے لیکن صنفِ ضعیف کے حلقوں میں بھی اب چند
چنگاریاں چمک رہی ہیں اور چند شمعیں روشن ہو گئی ہیں۔ خونِ جگر کے چند
قطرے گرنے لگے ہیں جن سے بہت سے نئے چراغ روشن ہوتے والے ہیں
قدیم کالج کے لجاوہ داروں کے خلاف بغاوت کا وہ بیباک جذبہ بیدار ہو چکا ہے
جو شعر و ادب کی دنیا میں مردوں کی قدیم جاگیر داری کو تسلیم نہیں کرتا اور حالی کی
زبان سے (جو جدید ادب کے پہلے معمار تھے) صاف کہتا ہے:

قیس ہو کو مہکن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

اس مسئلہ کی حد تک شاعر مشرق اقبال بھی یقیناً آرنلڈ کی طرح دو دنیاؤں
کے درمیان کھڑا تھا۔ وہ کبھی تو کہتا تھا:

نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی
نسوانیتِ زن کا نگبان ہے فقط مرد

کبھی سوال کرتا تھا:

کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ!
آزادی نسواں کہ زمرہ کا گلو بند
اور پھر خود اپنے عجز کا اعتراف کرتا تھا کہ
اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا

مجھے یقین ہے کہ اگر آج اقبال زندہ ہوتے تو انہیں اس بحث کا فیصلہ کرنا
ہی پڑتا اور تسلیم کرنا پڑتا کہ اب ہندی عورت کی نظر میں زمرہ کا گلو بند

آزادی نسواں کا نعم البدل نہیں ہے۔ وہ زمرہ کے گلوبند والے طبقے کے طبقاتی تفوق کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہے اور عمومیت اور انسانیت کی آزادی میں آزادی نسواں کی طلبگار ہے!

ادب اور شعر کے میدان میں جو عمومیت کے جذبات کا ایک بہت وسیع میدان ہے۔ ابھی تک ہندوستان کی خواتین کے صرف چند ہی نام نمایاں ہیں مثلاً حیا لکھنوی، نوشا بہ قدوائی، صفیہ شمیم، ذکیہ سلطانہ، آدایونی اور شاید چند اور۔ ان میں بھی دو تین ہی ایسی خواتین ہیں جنہوں نے اپنے ادب میں ترقی پسند رجحانات کو پوری طرح ظاہر کیا ہے۔ جدید ادب اور شعر کے معماروں کی صفِ اول میں محترمہ آدایونی کا نام اور کلام نمایاں ہے۔ ایک مختصر پیش لفظ میں ان کے کلام کی تمام خصوصیات پر تبصرہ کرنا ممکن نہیں لیکن جہاں تک جدید ادب سے آدایونی کے افکار کا ربط قائم ہے مجھے کچھ کہنا چاہیے۔

یہ واقعہ کہ جدید ادب کے تقاضوں نے ہمارے ملک کی خواتین کو اپنی طرف جرع کر لیا ہے۔ ہندوستان کے موجودہ دور کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے قدامت اور جمود کے خلاف عوامی افکار نے جو راستہ اختیار کیا ہے اس کے صحیح ہونے کا ثبوت اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ خواتین عموماً ہر قوم میں سب سے زیادہ قدامت پسند ہوا کرتی ہیں اب زمانہ کے تقاضوں سے متاثر ہو رہی ہیں اور ان کا ادب اور ان کی شاعری عمومی افکار کی آئینہ دار

بننے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ ”آدابِ ادبی“ جیسی خواتین کا یہ رجحان جدید ادب کا ایک نشانِ راہ ہے جس سے ہم اس منزل کا پتہ پاتے ہیں جہاں ملک کے ذہنی انقلاب کی تمام قوتیں مجتمع ہو رہی ہیں۔ اس طرح ہماری ملت کی عورتیں علامہ اقبال کے اس بیان کی تردید کرنا چاہتی ہیں کہ

جو ہر مرد غیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر

غیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر عورت کی نمود

وہ بہت جلد اس حقیقت کو بے نقاب کر دینا چاہتی ہیں کہ اب کچھ زیادہ عرصہ تک عورت کے جوہر کی نمودِ غیر کے اختیار میں نہ رہے گی بلکہ وہ اپنی صنف کے متعلق شاعرِ مشرق کے اس دعویٰ کی دلیل بنا چاہتی ہے کہ اس کے شعلے سے جس طرح شرارِ افلاطون ٹوٹا تھا اسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرارِ افلاطون۔ اقبال اس طرح اور بہت سے شرارِ افلاطون بھی ہیں جن کا ہندوستان کے نئے دور کی نئی عورت مقابلہ کرنے والی ہے۔

آج جدید ترکیب کے قومی شاعرِ ضیاء کے وہ الفاظ ہمارے خلوتِ خاؤں میں بھی ایک لرزشِ حیات پیدا کر رہے ہیں۔ شاعرِ عظیم ضیاء نے کہا تھا کہ ”جب تک عورت کی صحیح اور مکمل حیثیت نہ پہچانی جائے گی۔ قومی زندگی نامکمل رہے گی۔ میں نہیں جانتا کہ ہم نے عورت کو پس پشت کیوں ڈال رکھا ہے۔۔۔۔۔ تو پھر کیا اس کو اپنی سوئی نیزہ میں تبدیل کر دینی چاہیے تاکہ وہ تم سے زبردستی اپنے حقوق حاصل کر لے۔“

ترکوں کے تہجد کی آواز ہم ہمک بہت دیر سے پہنچی مگر بالآخر اب پہنچ رہی ہے
اور ملک کی منقہ دہانوں میں ہندوستانی خواتین ادب اور شاعری کے ذریعے
مطالبہ حقوق انسانیت کا راستہ صاف کر رہی ہیں۔ وہ سب کچھ لے کر
رہیں گی جو ان کا حق ہے! مجھ جیسے بوڑھے شاید ہندوستان کی نسوانیت
کے اس شاندار عہد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں لیکن ان ہی عورتوں کی
گودوں میں وہ بچے پرورش پائیں گے جو اس عہد جدید کا خیر مقدم کریں گے۔

آدابِ یونی کے کلام میں ان کانٹوں کی نوک صاف نظر آ رہی ہے جو
دلوں میں کھٹک رہے ہیں! انہوں نے جو جدید ادب کی نمائندگی کی ہے میں اس
اس پر تبصرہ کرنے سے پہلے عام طور پر ان کی فکر و سخن اور اندازِ بیان کے بعض
گوشتوں کی سیرِ راہ چند اشارے کرتا ہوں۔

فنی نقطہ نظر سے جو زیادہ تر قدیم نقطہ نظر ہے ادا کی شاعری میں قبال
جگہ اور فانی کے اسلوبِ بیان اور طرزِ فکر کے علاوہ منظر نگاری اور نرم کا
ایک پہلو کافی نمایاں ہے۔ نرم کا تو صرف ایک ہی نمونہ کافی ہے۔

ڈھلکے ڈھلکے آنسو ڈھلکے

چھلکے چھلکے ساغر چھلکے

دل کے تقاضے ان کے اشارے

بوجھل بوجھل ہلکے ہلکے

دیکھو دیکھو دامنِ الحجب
 پھرو پھرو ساغر چھلکے
 ان کی تمنا ان کی محبت
 دیکھو سنبھل کے دیکھو سنبھل کے
 کتنے ٹیڑھے کتنے سیدھے
 رستے ان کے رنگِ محل کے

اقبال کے اثرات کے ہلکے ہلکے نقوش ان اوراق کے بعض مقامات
 پر بہت پر کیفیت ہیں :-

کم یاب ہیں لیکن وہ جہاں سوز نکا ہیں
 بڑھ کر جو کمتدائیم و خورشید پہ ڈالیں

تیری نگاہ سے روشن رہیں دلوں کے شرار
 سرودنے پہ نہیں نغمہ حرم کا مدار
 مجھے نگاہِ خرد آشنا سے شکوہ ہے
 کہ ہو سکی نہ شعورِ نگاہ سے دوچار
 جگر کے تغزل کا رنگ بھی کہیں کہیں اس طرح جھلکتا ہے :-

سامنے بے نقاب بیٹھے ہیں دقتِ حسن و مہر و ماہ گئی
 اس نے نظریں اٹھا کے دیکھ لیا عشق کی جراثیم نگاہ گئی

یا پھر ادھر ادھر چنہ جو اہر پارے قافی کی طرز بیان یاد دلاتے ہیں مناظر
نگاری کا رنگ ان سب سے جدا ہے، لیکن مناظر نگاری میں بھی کیس کیس لہجہ
بہت نغین ہے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ شاعر کو مایوس تو کبھی نہ ہونا چاہیے، مگر
نغین ہونا چاہیے۔ اس کے ساز کے نازک تار ٹوٹ جاتے ہیں تمقنوں کی ضرب
سے۔ صرف ہلکا تبسم ہی انہیں گوارا ہے۔ ادا کی مناظر نگاری کے چند نمونے
میرے اس بیان کی تصدیق کریں گے۔ طرب و نہار کی وارداتوں میں بھی حزن کی
پرچھائیاں موجود ہیں۔ مثلاً بہار کا پھول ہے۔

ہے زیب شاخِ حسن گلتاں کہیں جے
اک پھول جانِ کیف بہاراں کہیں جے
ابرِ کرم کا قطرہٗ اول گسر بکف
انسانِ بہار کا عنوان کہیں جے
یا جستوئے جلوۂ رنگین دوست میں
وہ چشم انتظار کہ حیراں کہیں جے
یا اولین شکرِ محبت سرِ مرثہ
مردنی نشاط کا پیماں کہیں جے

”ایک تصویر دیکھ کر“ ”ادا“ کو شاعرِ مغرور کا ایک سجدہ بیتاب یاد

آتا ہے:

جو آستانِ ناز پر اس نے لٹایا تھا کبھی
اک شعر دل کے ساز پر بھولے سے گایا تھا کبھی

اس طرح "ادا" کی نظر میں شاعر کے رنگین خواب کی یہ تعبیر ہے۔ اس طرح
 "جوہی کی کلیاں" "جھیل" "صبح بنارس" "بہار کا راگ" اور ایسی متعدد نظموں
 میں "ادا" نے اپنے ساز کے اس تار کو انگلی لگائی ہے جس سے ایک
 غمگین نغمہ پیدا ہوتا ہے۔ بہت مدہم :-
 "یادِ ماضی" کے عنوان سے فرماتی ہیں :-

ماں ابر سیہ! انجمِ رخشندہ پہ چھاجا
 آنکھوں تلے پھرنے لگے ماضی کے نطائے
 تاروں کی طرح میرے تصور میں ہیں روشن
 وہ لمحے جو فردوسِ محبت میں گزائے
 کیا بھول گئے ہیں وہ محبت کی کمانی
 کیا یادِ انہیں اب نہیں جہنا کے کنائے
 میرے مہتاباں سے آدا کون یہ پوچھے
 تنہا کوئی کب تک شبِ مہتاب گزائے

ایک چیز اور بھی "ادا" کے کلام میں کہیں کہیں نظر آتی ہے وہ طنز کی
 ہلکی سی چاشنی ہے۔ مثلاً عنوان ہے کہ
 "ان کی شکایتوں کا مکھا میں نے یہ جواب :-
 تم تو وفا شناس و محبت نواز ہو
 ہاں میں خطا شمار سی بے وفا سی

میں محفل نشاط میں نغمہ طراز شوق
تم زیر لب تبسم حسرت مناسی
تم کو خیالِ غم سبب اضطرابِ دل
مجھ کو بیانِ دردِ مسرت فزا سہی
میں اشتیاقِ دید و مروت سے بے نیاز
اور تم نگارِ حنائی مہر و وفا سہی
ہے اک وفا شناس کو پاسِ وفا آدا
ورنہ کہاں ہم اور کہاں بخششِ خطا!!

”ادا“ کی شاعری کے عام انداز پر سرِ راہ ایک نظر ڈالنے کے بعد اب میں
جدید ادب سے ان کے کلام کے ارتباط کا جائزہ لینا چاہتا ہوں میری نظر
میں ان کے کلام کا یہی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے۔ میں جدید ادب کو فن
کے قدیم پیمانوں میں سختی کے ساتھ جانچنے کا قائل نہیں۔ جدید ادب عوام کے
لیے نئی زندگی کا ایک پیغام لایا ہے لہذا اس کے جانچنے کا سب سے زیادہ معتبر
پیمانہ اس کی ”اثریت“ ہے۔ اگر میں دیکھوں کہ کسی شاعر نے عوامی زندگی کی نبض پر
انگلی رکھی ہے اور اس نے اپنے کلام میں وہ اثر پیدا کیے ہیں جس سے عوام کے قلوب
میں گرمی اور ذوقِ عمل پیدا ہو سکتا ہو تو میں قطع نظر تمام دوسرے مضمرات کے
اس کو بلا تکلف ”داتاِ فن“ کی صنف سے بھی کہیں آگے بٹھا دوں گا۔
”ادا بدایونی“ کے کلام میں جہاں کہیں یاس اور مایوسی کا کوئی پہلو نظر آتا ہے

تو اس کے دوش بدوش ہم امید اور ایک بے محابہ جذبہ کار فرما دیکھتے ہیں جو
شاعرہ کے کلام کی تکمیل کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں کہیں وہ قدیم طرز فکر
پر تنقید کرتی ہیں مثلاً

نقشِ برآب ہے وابستگیِ حسن و ثواب
نگہستِ گل کی طرح عشق ہے پابند ہوا
تو اس کے ساتھ یہ کہہ کر اپنے سننے والے کا خیال بدل دیتی ہیں :-
منزلیں اور بھی کتنی ہیں محبت کے سوا
روحِ آزاد گرفتارِ سلاسل کیوں ہو
ایک مقام پر زندگی کے قدیم اسلوب سے بیزار ہو کر فرماتی ہیں :-
سوچتی ہوں کہ کوئی جملہ تار یک ہے کیا
یہ گرا بنا تسلسل
یہ حیاتِ جامد
جس کی دیواروں کی سنگینی سے لرزاں ہے خیال
کوئی روزن بھی نہیں کوئی دریچہ بھی نہیں
ایک دنیا ہے کہ ہے تیرہ و محدود و اداس
نزد و نکست سے گریزاں مہ و انجم سے نفور
جس کی دیواروں کی سنگینی سے لرزاں ہے خیال
کاش پڑ جائے کہیں ایک خراش ایک شکاف
علم کے ہاتھوں ہی سہی

اور بھولے سے کبھی

کوئی آوارہ سی چنچل سی کرن آنکھ

ایک لمحہ کے لیے

میرے تار یک گھروندے میں اجالا ہو جاٹے

پھر ایک نظم میں اس بیزاری کو یوں ظاہر کرتی ہیں :-

میں نے گلریز بہاروں کی تمنا کی تھی

مجھے افسردہ خیالوں کے سوا کچھ نہ ملا

چند سہمے ہوئے سایوں کے سوا کچھ نہ ملا

جگمگاتے ہوئے تاروں کی تمنا کی تھی

میں نے موہوم امیدوں کی پناہیں ڈھونڈیں

شدتِ یاس میں مہم سا اشارہ نہ ملا

ڈگمگاتے ہوئے قدموں کا سہارا نہ ملا

ہائے کس دشتِ بلاخیز میں رہیں ڈھونڈیں

یاس اور بیزاری کے پہلو میں بھی ایک جذبہ طلب ہے۔ بغاوت کی

شورش ہے جس سے ایک پیغامِ عمل پیدا ہوتا ہے :-

زد پہ آندھی کے دیا کا نپ رہا ہو جیسے

تھک کر افسردہ و دیران گزر گاہوں میں

آخری عہدِ وفا نپ رہا ہو جیسے

اور یہ آنسو ہے کہ آنکھوں سے ڈھلکتا ہی نہیں
ہائے یہ ساغر لبریز چھلکتا ہی نہیں
اپنے ملک کی عمومی زندگی کو آنکھوں کی زد پر رکھ کر دیکھ لیجیے اور تصور
کیجیے شاعرہ کے مجروح احساسات کے اس پس منظر کا جہاں وہ اپنے ساغر
لبریز کو چھلکانے کے لیے بیتاب ہے۔

کوئی تعمیر بغیر تخریب کے ممکن نہیں۔ لوگ اسے بہت ہی منتہا انگیز نظریہ
قرار دیتے ہیں۔ لیکن اسے کیا کیجیے کہ ہر روز کی زندگی میں یہ نظریہ صحیح ثابت
ہوتا ہے!

کسی نظام نوکی بنیاد قدیم سے بغاوت کیے بغیر قائم نہیں ہوتی۔ لوگ
اسے بہت ہی شررا انگیز نظریہ قرار دیتے ہیں لیکن ہر روز کی زندگی میں
اس کی صداقت عیاں ہے۔ موجودہ حالات سے بیزاری اور نفرت کا جو
پلو ادا بدایونی کے کلام میں نمایاں ہے اس کی توضیح ان ہی منتہا انگیز
نظریوں سے ہوتی ہے۔ وہ خود اپنی بیزاری اور یاس کے ہر نقش پر اُمید
آرزو اور ارادہ کی ضرب لگاتی ہیں۔

مثلاً فرماتی ہیں:-

ظلمتِ دشت میں بھٹکا ہوا راہی بھی نہیں
رات کے سینے میں ارمانِ سحر سو بھی چکا
بے دفا راہوں میں پیمانِ سفر کھو بھی چکا

دقت کے ہاتھ میں یادوں کا دیا بھی نہ رہا
 ریت کے ماتھے پہ نقشِ کھنکھیا بھی نہ رہا
 اور خود ہی اس ظلمِ یاس کو یوں توڑتی ہیں کہ
 حوصلے اور نئی شمعیں جلا نہیں گئے ابھی
 نئے راہی نئی منزل نیا سامانِ سفر
 نئے پیمان نئے عزم نئی شانِ سفر
 ظلم پروردہ تمناؤں کی شہ پائے ہوئے
 سر اٹھائے ہوئے پھرے ہوئے تھرائے ہوئے
 زخم کھائے ہوئے کچلے ہوئے ٹھکرائے ہوئے
 یعنی ہر گام پہ منزل کی قسم کھائے ہوئے
 قافلے اور اسی راہ سے آئیں گے ابھی!

پھر فرماتی ہیں،

زمین پہ شعلہ باریاں فلک پر گردِ گڑاٹیں
 کہ سن رہے ہیں چشمِ دولِ نظامِ نوکی آٹیں
 بہارِ بیت ہی چکی خزاں بھی بیتِ جانے گی
 مگر میں ایک سوچ میں پڑی ہوئی ہوں آج بھی
 وہ میری آرزو کی ناؤ کھسکے گا یا نہیں
 نظامِ نو بھی مجھ کو ساز دے سکے گا یا نہیں
 لیکن نظامِ نو تو شاعر کو اس کا ساز دے چکا اور اسی ساز کی آواز ہم ان

ادراق میں سن رہے ہیں۔ خود وہ اب تسلیم کرتی ہیں۔

افق کے پار ستاروں کی خوابگاہوں میں

فضوں بدوشش نظارے بلا ہے ہیں مجھے

جس طرح "ادا بدایونی" نے ان فضوں بدوشش نظاروں کی دعوت قبول کر

لی ہے اسے کاش کہ ہندوستان کی اور بھی لاتعداد خواتین افق کے پار ستاروں

کی خوابگاہوں پر اپنے افکار کی کندھ پھینک سکیں اور آنے والے نظام نو کے

جدید ادب کی صفوں میں ہم انہیں کہتے نہیں کہ

یہ میرے دل کو خیال آتا ہے

زندگی کیوں فقط اک آہ مسلسل ہی رہے

کیوں نہ بیدار کروں وہ نغمے

وقت بھی سن کے جنہیں ختم جائے

رگزاروں میں یہ بہتا ہوا خون

موت کے سائے تلے سسکیاں بھرتی ہے حیات

اس امنڈتے ہوئے طوفان سے کنارہ کر لوں

یہ سسکتی ہوئی لاشیں یہ حیات مردہ

یہ جبینیں جنہیں سجدوں سے نہیں ہے فرصت

یہ امنگیں جنہیں ناقوں نے کچل ڈالا ہے

یہ بکستی ہوئی روحیں یہ تڑپتے ہوئے دل

یہ ترستی ہوئی نظریں یہ ڈھلکتے ہوئے اشک

ان ڈھکتے ہوئے انکوں کو چرا کریں بھی

اپنے ایوانِ تصور میں چراغاں کر لوں!

شاعرہ نے جو کچھ بھی اس رنگ میں کہا ہے اس میں قدیم اور مسرودہ نظامِ زندگی کے خلاف بغاوت کا ایک بے پناہ جذبہ کارفرما ہے۔ ان کی آواز سرِ اُپا طلب اور احتجاج ہے۔ ان کے اندازِ بیان سے ایک ایسی قوتِ ارادی مترشح ہے جس کے بغیر جدید ادب کے کسی معمار کا پیام مؤثر نہیں ہو سکتا۔

عہدِ جدید کی گود میں ہر اس معمار کے لیے ایک جگہ موجود ہے جو شعر و سخن کو محض فنکاری کے دائرے سے باہر لے جا کر عوام کی زندگی کے وسیع ترمیدانوں میں حقوقِ انسانیت کے مطالبے کی آواز بنا دے۔ ہم اب اس منزل سے بہت دور نکل چکے ہیں جہاں اس موضوع پر بحث ہوا کرتی تھی کہ آیا صحیح نظریۂ ادب برائے ادب ہے یا ادب برائے زندگی۔ شاعر کی حسنِ کاری اب بھی اپنا ایک مقام رکھتی ہے اور کمالِ فن کا اب بھی ایک معیار قائم ہے لیکن زمانے کے تقاضوں نے جن شعرا کو جدید ادب کے طرف مائل کر دیا ہے وہی ان تقاضوں کی صحیح تعمیل کر رہے ہیں۔ اس عہدِ حیات میں حسنِ کاری اور آرٹ کا جو صحیح مقام ہے اسے خود علامہ اقبال نے اپنے صرف ایک ہی مصرعہ میں بیان کر دیا تھا۔

شمیر و سناں ادل طائوس و رباب آخر

اقوامِ عالم کی زندگی میں شمیر و سناں اور طائوس و رباب کی تقسیمِ نظمِ زندگی کے ہر شعبہ میں ایک لازوال قانون ہے۔ ہمارا جدید ادب طائوس و رباب کی منزل کو جیسے چھوڑ چکا ہے اور زندگی کے دائرے میں وہ قدیم فنِ حسنِ کاری

کے نقطہ نظر سے گزر کر پھر زندگی کے ان واجبات کو پکار رہا ہے جن کو اقبال کی اشاریت نے ”شمشیر و سناں“ کے نام سے موسوم کیا تھا۔ جدید ادب کے اس چھوٹے سے مگر تیز کام قافلے میں جب کسی نئے مسافر کا اضافہ ہوتا ہے تو میں اس مسافر کو فن اور قواعد کے ترازو میں تولنے کے بجائے اس طرح اس کا خیر مقدم کرتا ہوں کہ یہ ایک اور بلا کو کش اور بلا کیش محفلِ زنداں میں آیا جو زندگی کے نئے ساز پر نئے گیت گاتا ہے !!

محترمہ آدابِ یونی کے کلام پر میں جو ان چند سطروں کے لکھنے پر آمادہ ہوا تو اس کا سبب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ میری تھکی ہوئی عمر ابھی اتنی نہیں تھکی ہے کہ جدید ادب کی شورشِ انگیزی کا خیر مقدم بھی نہ کر سکے !!

مُحَمَّد عَبْدُ الْغَفَّارُ

حیدر آباد۔ دکن
یکم فروری ۱۹۴۷ء

پیش لفظ

زندگی تیرے لیے خواب سی، گیت سی
نقرا گیتوں کی زرکار سجیلی کر نہیں
نور برساتی رہیں تیرے ثبستانوں میں
زندگی بھوکریں کھاتی رہی طوفانوں میں

تو کہاں سوچتی خوابوں کی سحر باہوں میں
کیوں ڈھلکنے سے بھی معذور رہا کرتے ہیں
وہی آنسو جنہیں مہم ساسہارا نہ ملا
کسی دامن کسی آنچل کا کنارہ نہ ملا

کیسے محبوب تمناؤں کی کوئل کلیاں
آگ اور خون کے عفریت نگل جاتے ہیں
کیسے تہذیب کے معیار بدل جاتے ہیں
تو کہاں سنتی وہ بے باک نوائی جس کو
لوریاں دے کے سلایا ہے نہاں خانوں میں

انہیں روندی ہوئی ٹھکرائی ہوئی راہوں میں
کتنی نوحیز امیدوں کے سجیلے پسنے
کتنی معصوم امیدوں کے الجھیلے پسنے
چند دالوں کے عوض بکتے رہے بکتے رہے
بربریت کے ستم سہتے رہے سہتے رہے
زندگی میرے لیے خواب نہ تھی گیت نہ تھی

(۱)

سوز بھی کم کم ساز بھی کم کم

(فراق)

urdukutabkhanapk.blogspot.com

احساسِ اولیں

ایک موہوم اضطراب سا ہے
اک تلامس سائینچ و تاب سا ہے
اڈے آتے ہیں خود بخود آنسو
دل پہ قابو نہ آنکھ پر دستاں
دل میں اک درد میٹھا میٹھا سا
رنگ چہرے کا پھیکا پھیکا سا
زلف بھری ہوئی پریشاں حال
آپ ہی آپ جی ہوا ہے نڈھال

سینے میں اک چھین سی ہوتی ہے
آنکھوں میں کیوں جلن سی ہوتی ہے
سر میں پنہاں تصورِ موہوم
ہاتے یہ آرزوئے نامعلوم
ایک نالہ سا ہے بغیر آواز
ایک پھل سی ہے نہ سوز نہ ساز
کیوں یہ حالت ہے بیقراری کی
سانس بھی کھل کے آئیں سکتی
روح میں انتشار سا کیا ہے
دل کو انتظار سا کیا ہے

محبت

محبت ایک راز ہے !

وہ راز۔ روح میں رہے جو حسن بن کے جلوہ گر
نگاہ جس کی دید کی نہ تاب لائے عُسْر بھر
شور سے بلند تر
محبت ایک راز ہے !

محبت ایک ناز ہے !

وہ ناز جو حیات کو نشاط جادواں کرے
زمین کے رہنے والوں کو جو عرشِ آشاں کرے

یہ فرقِ ایں وَاں کرے

محبت ایک ناز ہے

محبت ایک خواب ہے!

وہ خواب جس کی سرخوشی پہ جنتیں نثار ہوں

فسانہ ساز زندگی کی عشرتیں نثار ہوں

حقیقتیں نثار ہوں

محبت ایک خواب ہے!

محبت اک گناہ ہے!

لٹے نہ کاروانِ بوڑھے جو غنچہ میں نہاں

صدف سے باہر آ کے پھر گھر کی آبرو کہاں

ہوئی جو محرمِ زباں

محبت اک گناہ ہے!

محبت اک نگار ہے !

تمام صدق و سادگی، تمام حسن و کافری

تمام شورش و خلش، مگر بطرزِ دلبری

شکست جس کی برتری

محبت اک نگار ہے !

یہ آنسو

کیوں آج تری چشمِ سیہ غم نواز ہے
ٹپکے مژہ سے اشکِ گراںبار کس لیے
بے قدر ہو گئے دُرِ شہسوار کس لیے
کیوں آج تیرے ناز میں رنگِ نیاز ہے
قمت نے کس لیے تجھے ناشاد کر دیا
کس کو خبر تھی رنج ہے اسِ سن کے واسطے
وہ مختصر سا عیش تھا اس دن کے واسطے

دُنیا ئے انبساط کو برباد کر دیا
ظلماتِ غم میں جلوۂ امید کھو گیا
شہزادہی نشاط اور آہوں سے ہمکنار
آہوں سے ہمکنار، کراہوں سے ہمکنار!
کیوں وقفِ نالہ بربطِ ناہید ہو گیا
پروردۂ بہار۔ نصیبِ خزاں بغضب!!
مجبورِ آہ لعلِ تبسمِ فشاں! غضب!!

”اُن کی شکایتوں کا لکھا میں نے یہ جواب...“

تم تو وفا شناس و محبت نواز ہو!

ہاں میں دغا شمار سہی، بے وفا سہی!

تم کو تو ناز ہے دلِ الفت نصیب پر

میں ماجرائے درد سے نا آشنا سہی

نا آشنائے درد کو شکوہ سے کیا غرض

تم کو شکایتِ غمِ فرقت روا سہی

تم کو تو رسمِ ظلم و ستم سے ہے اجتناب

تم سرسبز عطاسہی اور میں خطاسہی

میں محفلِ نشاط میں نعمہ طرازِ شوق
تم زیرِ لب تبسمِ حسرتِ نماہی
تم کو خیالِ غم سببِ اضطرابِ دل
مجھ کو بیانِ دردِ مسرتِ فزاہی
تم کو مرا تاملِ خط و جبہ انتشار
مجھ کو تمہارا طرزِ تعارفِ اداہی
میں انتظارِ خط کی صعوبتِ بے خبر
تم انتظارِ خط میں سدا بتلاہی
میں اشتیاقِ دید و مروٹ بے نیاز
اور تم نگارِ خانہ مہر و وفاہی
ہے اک وفا شناس کو پاسِ وفا دادا
ورنہ کہاں ہم اور کہاں بخششِ خطا

عیدِ نظارہ

مژدہ نگاہِ شوق! کہ عیدِ نظارہ ہے
پلیس کسی کی راہِ زمیں بچھاؤں میں
آمد ہے آج ایک سراپا بہار کی
کس کس طرح نہ نمکدہ اپنا سجاؤں میں
خورشید کی جبین سے کرنِ مُستعار لوں
مہتاب سے صنیا تے جواں مانگ لاؤں میں

دامانِ ابرتیرہ سے گوہرِ سمیٹ لوں
توسِ قزح کا رنگِ عروسی چاؤں میں
باغِ ارم سے آرزوئے رنگِ بُو کروں
روئے شفق سے غازہِ احر چھاؤں میں
شبنم سے اشکھائے گہرِ تاب چھین لوں
غنیچہ کے لعلِ لب سے تبسمِ چراؤں میں
بُیل سے پاکبازی الفتِ طلب کروں
مصومِ شباب کو پھولوں سے چھاؤں میں
جذب و وفا و ہمتِ پروانہ چاہیے
بہرِ گداز و سوزِ سوتے شمعِ جاؤں میں
رنگینیاں شراب سے تھوڑی سی مانگ لوں
اور سادگیِ طفلکِ معصوم پاؤں میں!

ظلمت میں ہوگا نورِ فشاں ماہِ نیم ماہ
بہرِ نثار ساغرِ انجم منکاؤں میں!
وہ اور میرے گھر میں ہوں مہاں غمِ شا نصیب!
گلے اشکِ سرخ سے دیکھ جلاؤں میں
آنکھوں کو میری دولتِ دیدار ہے نصیب
خود کو نہ ان کے شوق میں کیوں بھول جاؤں میں
وہ ابتدا سے آج سنیں گے حدیثِ غم
ببل کی طرزِ نعمتِ رنگیں اڑاؤں میں
جب حسن ہی نیاز پہ مائل ہوئے ندیم
پھر کیا صلاح آج نہ کیوں مٹھ جاؤں میں
اے اضطرابِ شوق! سننے دے اس قدر
ہاتھوں پہ رکھ کے دل کو پتے نذر لاؤں میں

اور اس کے بعد عرض کروں حکم ہو اگر
رنگین ایک مطلع آدا کا تاؤں میں
”اے چمِ مست تیرا اشارہ جو پاؤں میں
جو نغمے سو رہے ہیں انہیں بھی جگاؤں میں“

✽

ادھر بھی اک نظر اے جلوۂ رنگین و بیگانہ
طلوعِ ماہ کا ہے منتظر میرا سیہ خانہ

غزل

نہیں کہنے کے قابل ہم صفیرو! داستاں میری
کہ دستِ برق نے ڈالی بنائے آشیاں میری
مرے صیاد! کچھ تو حرم کر ان چار تنکوں پر
یہی لے دے کے ہے کل کائناتِ آشیاں میری
تمہیں اسے بجلیو! پہلے مجھی کو بھونک دینا تھا
جلانا ہتی اگر منظور شاخِ آشیاں میری
مرا حالِ زبوں کیوں درسِ عبرت ہو زمانہ کو
زباں زد کس لیے ہو داستاںِ آشیاں میری
نہ ہوتا خانماں تو خانماں برباد کیوں ہوتی
ادایہ رنگ لائی آرزوئے آشیاں میری

جوبی کی کلیاں

بہارِ غلہ منظرِ جلوہ گر ہے
ہجومِ سبزہ تاحہٴ نظر ہے
ہوائے مست ہے ہسکی ہوئی سی
سکوتِ شبِ تحیرِ آرزو ہے
جمالِ ماہِ کیفیتِ منزا ہے
ہوا کے نرم جھونکے ہیں کہ آہیں
کہ بھری بھری نادیدہ نگاہیں!

ستارے یوں پلک جھپکا رہے ہیں
بنگاہِ شوق سے شرمار رہے ہیں
فلک سے چاند کی مغرور کر نہیں
دفورِ شوق سے مسرور کر نہیں،
برائے سیرِ گل آتی ہوتی ہیں
زمین تا آسماں چھائی ہوئی ہیں
سرِ مژگاں ستارے کا تپتے ہیں
کہ جوہی کے شگوفے کھل رہے ہیں
نزاکت آفریں، رعنتِ سمن بر
تخیل کے نشاط انگیز پیکر
کتابِ حسن کا عنوانِ رنگیں!
جواں فطرت کا ارمانِ بہاریں

جبینِ غنچہ پر شبم نہیں ہے
عرقِ آلودِ روتے نازنین ہے
یہ کلیاں ہیں کہ ماضی کی وہ یادیں
جنہیں ہنگامہ ہائے غم بھلا دیں!
بڑے نازوں کی یہ پالی ہوتی ہیں
مئےِ عشرت سے متوالی ہوتی ہیں
یہ جراتِ آزما مہم اشارے
ہیں کس کے منتظر رنگیں نظارے

بہار کا پہلا پھول

ہے زیبِ شاخِ حسنِ گلستاں کہیں جے
اک پھول جانِ کیفِ بہاراں کہیں جے
یا حاتمہ مصورِ رنگیں نگار کا —
وہ نقشِ ادلیں کہ پریشاں کہیں جے
ابرِ کرم کا قطرہٴ اوّل گہرِ بکف
افسانہٴ بہار کا عنوان کہیں جے
طفلی کا ایک گام سوئے منزلِ شباب
سرنامہٴ صحیفہٴ ارماں کہیں جے

اک حرفِ آرزو جسے شوقِ گنہ کہیں
اک منفعل نگاہِ پشیمان کہیں جسے
عصیاں کی بزمِ تیرہ میں اک نور کی کرن
اہلِ نظر بھی حاصلِ امیاں کہیں جسے
یا آرزو تے اول و مبہم کی قلب میں
پہلی تڑپ، جراحِ مژگاں کہیں جسے
کھویا ہوا سا خوابِ جوانی نہ بار کا
تجدیدِ اضطراب کا ساماں کہیں جسے
یارِ ہزارِ ناز میں مصروفِ جستجو
وہ چشمِ انتظار، کہ حیراں کہیں جسے
یا اذلیں سرِ شکِ محبت سرِ مژہ
محرومیِ نشاط کا پیمیاں کہیں جسے

”... تقریب تیرے یاد آنے کی؟“

غینوں کا سنگھار ہو رہا ہے
سامانِ ہمارا ہو رہا ہے
جھونکے یہ ہوا کے بھگے بھگے
کیا کیا نہ امنگ جی میں اٹھے
کلیاں جو ادا سے پھوٹتی ہیں
جینے کی امیدیں ٹوٹتی ہیں

پھولوں سے لدی ہوئی ہیں شاخیں
آنکھوں میں کھٹک رہی ہیں شاخیں
بھونرے سے سکھی یہ کوئی کہہ دے
گاکا کے کسی کو کیوں ستائے
لوچھپائیں گھٹائیں اودی اودی
زلفیں وہ کسی کی کبھری کبھری
پُر داسے کوئی یہ جا کے پوچھے
خوشبو یہ چرائی ہے کہاں سے
آتے ہیں امنڈ کے کالے بادل
رہیلا ہوا انکھڑیوں کا کاجل
جنگل میں چمک رہی ہے بجلی
دل بن کے دھڑک رہی ہے بجلی

سبزہ یہ بگڑ کے بن رہا ہے
یا روٹھ کے کوئی من رہا ہے
پھولوں پہ یہ تتلیاں کہاں ہیں
یادیں کچھ ہیں کہ پر فشاں ہیں

✽

وہ بے نقاب سامنے آئیں بھی اب تو کیا
دیوانگی کو ہوش کی فرصت نہیں رہی

جھیل

بدلی مسرتوں کی ہر سو برس رہی ہے
اک خواہناک وادی آنکھوں میں بس رہی ہے
وادی کی گود میں یوں اک جھیل سو رہی ہے
خود چاندنی سمٹ کر آنغوش ہو گئی ہے
صبا نے ارغواں کا ساغر چھلک گیا ہے
چشم نگار سے اک آنسو ڈھلک گیا ہے
کس شرمگین نگہ سے مسحور ہو گئی ہے
مسحور ہو گئی ہے، منسود ہو گئی ہے

کیفِ شراب میں ہے ڈوبا ہوا نظارا
کھوئی ہوئی نظر میں کھویا ہوا نظارا
برنائیاں کچھ اور عکسِ مہِ جواں پر
اک چاند ہے زمیں پر اک چاند آسماں پر
ہو ہو کے مست و بیخود ندیں چڑھا رہی ہے
شبنم کی شاہزادی موتی لٹا رہی ہے
تاروں کا عکسِ دلکش ہے سطحِ مرمریں پر
افشاں چینی ہوئی ہے پیشانیِ حسیں پر
مخِ خرامِ نازکِ دوشیزہ صبا ہے
سبزے کی جنبشوں میں اک دل دھڑک رہا ہے
لہروں کی سلوٹوں میں کچھ پھول کانپتے ہیں
بسترِ جو پر شکن ہے پلو بدل رہے ہیں

لرزاں ہے کس لیے یوں؟ ہے کیوں کن جبین پر؟
کیا یاد آ رہا ہے؟ کیوں ہو رہی ہے مضطر؟
کیوں دل دھڑک رہا ہے؟ یوں بیقرار کیوں ہے؟
سوئے فداک نگاہ حیرت شعار کیوں ہے
امید کا گھر وندا پل میں گرا دیا ہے!
تجھ کو بھی کیا کسی نے دل سے بھلا دیا ہے؟

صبح بنارس

گھونگھٹ اُلٹ رہی ہے رُخِ لالہ نام سے
عذر رائے صبحِ حسنِ خود آرا لیے ہوئے
سرگرمِ مشقِ ناز ہے مشاطہ بہار
کیف و نشاط و رنگ کی دنیا لیے ہوئے
کلیوں کو بخشتی ہوئی اذنِ شگفتگی
پھولوں کو رنگ و بو کا سندیہ لیے ہوئے
دامن کشاں ہے ساحلِ گنگا کی آب و تاب
طغیانِ بے خودی کا اسٹار لیے ہوئے

ہیں گلفروش لڑکیاں ہر سمت راہ میں
یا خود بہار ہے گل رعنا لیے ہوئے
خوشبو پھیل رہی ہے ہواؤں کے دوش پر
اعجازِ گرمی دمِ عیسیٰ لیے ہوئے
مستی بھری ہواؤں کے جھونکے نہ پوچھئے
فطرت ہے آج ساغر و مینا لیے ہوئے
ہو جس کے آگے نعمتِ ناہید بھی فخل
موجِ نسیم ہے وہ ترانا لیے ہوئے
مفسر و رکر دیا ہے شعاعوں نے چوم کر
ذرے بھی ہیں منورِ غِثِ ثریا لیے ہوئے
ہر گل، زفیضِ ناز، چمن درکنار ہے
ہر قطرہ حقیر ہے دریا لیے ہوئے

شفافِ سطحِ آبِ نہیں، دستِ ناز میں
آئینہ ہے عروسِ نظارِ لیے ہوئے
محوِ خرامِ ناز ہیں دریا میں کشتیاں!
موجِ شمیمِ گل کا فسانہ لیے ہوئے
مندر کی آن بان ہے اس وقت دیدنی
کرنیں بڑھی ہیں تاجِ شہانہ لیے ہوئے
اشنان کرنے گھاٹ پر آئی ہیں دیویاں
آئینل کی ادٹ میں رُخِ زیبا لیے ہوئے
آغوشِ رودِ آب میں ہیں مہوشانِ شوق
گویا جوابِ عقدِ ثریا لیے ہوئے
یا صحنِ گلستاں میں پرافشاں ہیں تتلیاں
عکسِ جمالِ عارضِ سلمیٰ لیے ہوئے

یا کچھ کنول کھلے ہوئے چاندی کی جھیل میں
نظارہ و نظیر کا تقاضا لیے ہوئے
وہ سر جھکا رہی ہیں عقیدت کی راہ سے
کوئین خود ہے جن کی تمنا لیے ہوئے
مہتاب سی جہیں سے کرن پھوٹتی ہوئی
دنیا ئے آرزو کا احبالا لیے ہوئے
ژولیدہ گیسوؤں میں ہے مکھڑا یہ پھول سا
یا گود میں ہے چاند کو ہالا لیے ہوئے
مے خانہ جمال کی کافر گھٹاؤں میں
طاقِ حرم کی شمع دل آرا لیے ہوئے
سامانِ کفر عشقِ مہیا ہیں سرسبز
ہر ہر قدم پہ دعوتِ سجدہ لیے ہوئے

ساحل کے ذرہ ذرہ میں غلطیہ ہے نظر
ارمان دید و ذوق تماشا لیے ہوئے
سجدے تڑپ رہے ہیں جبینِ نیاز میں
سرہیں کسی کی زلفت کا سودا لیے ہوئے
ہیں دل کے ہاتھوں جینے سے بیزاریاں ہاں
یا ہر ادا ہے وعدہ فردا لیے ہوئے
تسکین نامراد کی اک سمت کشمکش
اور اک طرف ہے دردِ مداوا لیے ہوئے
کس کو خبر ہیں کتنے بہکتے ہوئے قدم
مخمور آنکھڑیوں کا سارا لیے ہوئے

نا آراستہ حسن

معصوم و سادہ الہڑ جوانی!
ہونٹوں میں غلطاں کوثر کے دھارے
دیکھیں جو رشکِ مہتاب کھڑا
حیران و ششدر ہو جائیں تارے
ساری کا آئینچل ڈھلکا ہوا ہے
اوروں سے بے سدھ خود کو بے بائے
ہے سادگی خود حشرِ مجسم!
دل کی تمناکس کو پکارے؟

گھسائل کریں اور مڑ کر نہ دکھیں
تڑپیں کہ سسکیں نبیوں کے مارے
بختیش دلوں کو ذوق پرستش!
نیچی نظر کے مبہم اشارے
سنبھلی ہوئی سی، ٹھٹکی ہوئی سی
نظروں کی زد پر سادہ نظارے
رُخ پر ہوا سے اک لٹ پریشاں
ارمان ڈھونڈے کیا کیا سہارے
الجھے ہوئے ہیں الجھا رہے ہیں
اے کاشش کوئی گیسو سنوارے

ایک تصویر دیکھ کر

پیشِ نگاہِ آرزو
کس شوخ کی تصویر ہے

کھڑا ہے یہ متاب سا
جیسے شگفتہ روئے گل

رنگین سا، شاداب سا

پاکیزہ جیسے بوئے گل

معصوم عشقوں کی قسم

تقدیس کی تفسیر ہے

ہے کاکلِ عنبرِ فشاں
اُٹدی ہوئی کالی گھٹا

آنکھوں میں ہے سوئی ہوئی
اک ناشنیدہ داستاں
چپ چپ سی، کچھ کھوئی ہوئی
چشمِ فلک سے بدگماں
یا پھول کی اک پنکھڑی
آزردہ موجِ ہوا

یوں اک تبسم کی کرن
ہونٹوں پہ آکر رہ گئی
گویا لبِ نازک سے اب
ارشادِ فرمانے کو ہے

صبر و سکون و ہوش سب

بر باد فرمانے کو ہے

یا صبح کو نورس کلی

کچھ کسا کر رہ گئی!

بُت خانہ آذر کا ہے

اک شاہکارِ مرمری

مکھڑے پہ چاندی کی جھلک

آنکھوں میں خوابیدہ حیا

ہونٹوں میں کلیوں کی دھمک

انداز میں ناز و ادا

نازک مثالِ برگِ گل

شیریں ادا، ناز آفریں

فطرت کی چشم ناز کا

اک خوابِ معصومانہ ہے

پہلی کرن ہے صبح کی

مچلی ہوئی، سنبھلی ہوئی

یا ایک نازک تیتری

ٹھہری ہوئی، ٹھٹکی ہوئی

یا شرمگین کلیوں کا اک

ارمانِ بے تابانہ ہے

آنسو ہے اک ڈھلکا ہوا

یا حسن کے رخسار کا

تابندہ و پُر نور ہے

رنگیں شہاروں کی طرح

دستِ دعا سے دُور ہے

پاکیزہ تاروں کی طرح

یا صورتِ انساں میں ہے

اک راگ موسیقار کا

یا شاعرِ منور کا

اک سجدہ بے تاب ہے

جو آستانِ ناز پر

اس نے لٹایا تھا کبھی

اک شعرِ دل کے ساز پر

بھولے سے گایا تھا کبھی

شرمندہ تعبیر وہ

شاعر کا رنگیں خواب ہے

اللہ رمی یہ تمکنت

یہ حُسن، یہ برنائیاں

اپنے نشہ میں پُور ہے

مثلِ عنزالِ نازیں

سُلطانہٴ منور ہے

کافر ادا و مہ جبیں

ہے سجدہ گاہِ مہرومہ

پاکیزگی کا آستان

ہر ہر ادا سے جانفزا

ہے دل نواز و دلنشیں

مست آنکھڑیوں کے جام میں

غلطیدہ پیمانِ وفا!

زلفِ سیہ کے دام میں

لرزیدہ ارمان و فنا

کیو پڑ کا تیرے بے پنہ

دینس کی تشکیل حسین

جوش و غروشِ آرزو

دیوانگی بردوش ہے

تیر مژہ کی زد میں ہے

ہوشِ حسد کا کارواں

یا حسن کے معبد میں ہے

پندارِ عشق کا مراں!

اللہ ری مدہوشیاں

دل جلوہ گاہِ ہوش ہے

محرومیِ تقدیر سے

اک اشک ہے زیبِ ثرہ

محبوبہ نازِ آفریں

کیا چیز تجھ کو نندوں

اے کاش یہ جانِ حزیں

تجھ پر نچپا کر سکوں

آنسو کا اک قطرہ ہے بس

مندرِ ادائے بے نوا

پرویں کے نام

خدا کرے تجھے ہم تاب مہر و مہ پرویں
مثال انجم رخسندہ سر سراز رہے
سبق لے گوہر تاباں سے تیری معصومی
جہان حرص و ہوا میں بھی پاکباز رہے
یہ کائنات، کہ مدفن ہے آرزوؤں کا!
تو اس دیار میں مثل نوائے ساز رہے
خدا سے چشم حقیقت مگر بے تجھ کو
کہ تو کبھی نہ اسیرِ حق و مجاز رہے

سرشکِ چشمِ مصیبت زدہ پہ کانپ اُٹھے
ہمیشہ دل کے دکھانے سے احتراز رہے
ترے دماغ کو وہ عزمِ استوار ملے
کہ تیسری راہ میں کوہِ گراں گداز رہے
دلِ یاز کو بخشے مذاقِ آزادی !
نیاز میں بھی اک اندازِ مشقِ ناز رہے
عطا ترے دلِ نازک کو ہو وہ سوز و گداز
کہ تیسرے دم سے تری قوم سر فراز رہے
مٹا دے ہند سے تفریقِ حاکم و محکوم
تو وہ کلی ہو گلستاں کو جس پہ ناز رہے

بہار کا راگ

ننھی ننھی حسین کلیوں پر !!
ہلکی ہلکی سی پڑ رہی ہے پھوار
ہائے سادون کی مست دیوی کے
گھنگھروں کی رچی رچی جھبنکار
یوں بجاتی ہے یلیٰ فطرت
دھیرے دھیرے بوندیوں کا تار
عشق کا دیوتا بصد تمکین
سازِ دل پر ہو جیسے زمزمہ باز!

تجدید

ہنگامہ نشاط کا سماں ہے آج کیوں؟
دورِ شراب گردشِ دوراں ہے آج کیوں؟
مفہومِ عیشِ روح پہ عریاں ہے آج کیوں؟
گر یہ حریفِ شوقِ فراواں ہے آج کیوں؟
کیوں دامنِ نگاہ میں کانا بھی پھول ہے
رنگِ خزاں حریفِ بہاراں ہے آج کیوں؟
میرے لبِ خموش کو آئینِ ناز میں
عرضِ نیازِ شوق کا فرماں ہے آج کیوں؟

ثمرِ مندۂ خیالِ تمنا رہا جو دل
دیوانگی شوق پہ نازاں ہے آج کیوں؟
جو کشتۂ تغافلِ پیسم تھا وہ دماغ
آزردۂ ندامتِ جاناں ہے آج کیوں؟
محرومِ یک نگاہِ ترسم تھی جو وہ رُوح
لذت کشِ تبسمِ پنہاں ہے آج کیوں؟
وہ چشمِ انتظار کہ محرومِ جلوہ تھی
مژگانِ اشکبار پہ خنداں ہے آج کیوں؟
وہ نالہ جو ہنوز نہ تھا لب سے آشنا
عُسنِ فروغِ شمعِ ثبوتاں ہے آج کیوں؟
جو بل گیا تھا کثرتِ اندوہ سے مجھے
برباد وہ سکونِ دل و جاں ہے آج کیوں؟

آمادہ کرم ہے یہ کس کی نگاہِ ناز
دل شکوہ تم سے پشماں ہے آج کیوں؟
اندازِ بے نیاز مئی حباں کے میں نثار!
سرگرم کارِ غمزہ جاناں ہے آج کیوں؟
کس کے پیامِ ناز کا یہ فیض ہے آدا
دل جلوہ گاہِ نرگس دریاں ہے آج کیوں؟

اشعار

اور کچھ دیر لب پہ آہ رہے

اور کچھ ان سے رسم و راہ رہے

پھر نگاہوں کو آزما لیجئے!

پھر وفاؤں پہ اشتباہ رہے

دل کی آزر دگی بحال لیکن

وہ بھی محسوسِ یک نگاہ رہے

یاد ماضی

آغوشِ فلک میں ہیں جھلکتے ہوئے تارے
یا ساغرِ زرسائیِ مہوش نے سنوارے
تاروں بھرا آکاش ہے یارات کی دیوی
پیشانیِ زرباش پر افشاں کو سنوارے
بھر مٹ میں ستاروں کے ہے مہتاب درخشاں
پہلو میں لیے ماضیِ سوزاں کے شرارے
یا حلقہٴ سیمینِ حنینِ جہاں میں
ہے آئینہٴ سیمائی چہرے کو نکھارے

ہاں! ابرِ سیہ انجمِ رخسندہ پہ چھپا جا
آنکھوں تلے پھرنے لگے ماضی کے نطارے
تاروں کی طرح میرے تصور میں ہیں روشن
وہ لمحے جو فردوسِ محبت میں گزارے
آنکھوں سے ادھر اشکِ گہر تاب کی بارش
گردوں پہ ادھر سکیاں بھرتے ہوئے تارے
کیا بھول گئے ہیں وہ محبت کی کہانی
کیا یاد انہیں اب نہیں جہنا کے کنارے
بھولے سے نہ وہ جن کو کبھی یاد کریں گے
جیتا ہے کوئی اب انہیں یادوں کے سہارے
ہے چاند اسی حُسنِ سراپاں کا پیامی
تارے ہیں انہیں شوخ نگاہوں کے اشارے

دیدار میسر ہو جو نظردوں کو دوبارہ
روشن کردوں سینے میں تنہا کے شرارے
میرے مہتاباں سے آدا کون یہ پوچھے
تنہا کوئی کب تک شبِ مہتاب گزارے

التفاتِ گمبیراں

تمہیدِ اضطرابِ فراواں ہے آج پھر
رنگیں قبا عروسِ گلستاں ہے آج پھر
شہزادیِ نشاط کی نازکِ حُرمیاں
وحشتِ فزا، ہجومِ بہاراں ہے آج پھر
شبِ نیم نے برگِ گل سے دمِ صبح کیا کہا؟
گوہرِ فروشِ دامنِ مژگاں ہے آج پھر
صبحِ بہار ہونے لگی کس لیے طلوع
میری حریفِ گردشِ دوراں ہے آج پھر
نظروں کو ناگوارِ جمالِ عروسِ گل
کانوں پہ بارِ شورِ ہزاراں ہے آج پھر

سہر کو کسی کے گوشہ داماں کی آرزو
پاتے جنوں کو شوق بیاباں ہے آج پھر
بھرنے پر آگئے تھے مرے زخم ہائے دل
گلشن میں شمع لالہ فروزاں ہے آج پھر
بے وجہ غم نوائیاں اے ہم نشیں! نہیں
ابر سیہ کی زلف پر ثیاں ہے آج پھر
کیوں کر بھلاؤں کا کلِ عنبر نشاں کو میں
دوشِ فضا پہ نگہستِ رقصاں ہے آج پھر
وہ ہی نہیں تو کیوں ہوں یہ عشرت نوا زیاں
بارِ گراں فروغِ شبستاں ہے آج پھر
شاید کسی نے یاد کیا ہے ہمیں ادا
کیوں ورنہ اشکِ مائلِ طوفاں ہے آج پھر

نتی موج طُوفان

بہت دن سے بھتی بزمِ دل سرِ دویراں
یہ کون آگیا آج مست و غزل خواں
یہ کس نے نقاب اپنے رخ سے اُلٹ دی
گلے مل رہے ہیں ہم کفر و ایماں
یہ کیوں وجد سا دل کو آتا ہے پیس
ہوا کون مشقِ ستم سے پشیمان
پلک پرستارہ ساتھ ایک روشن
یہ کس رہگزر میں ہوا ہے چراغاں

فریبِ تنّا سے ہوش آچکا تھا
ہے جنبش میں کس کا لبِ ست پیاں
امیدوں کا روشن دیا بجھ چکا تھا
یہ پھر کس نے شمعِ نظر کی فروزاں
یہ پھر کس نے دزدیدہ نظروں سے دیکھا
مچلنے لگے سینکڑوں شوخِ ارماں
میں کانٹوں سے ہی دل کو بسلا چکی تھی
یہ کس کی ہے آمد گلتاں گلتاں
گلتاں گلتاں یہ آمد ہے کس کی؟
یہ کون آ رہا ہے حسرا ماں خرا ماں
بہارِ محبسم ، شرابِ مشکل
یہ ماہِ حسرا ماں ، یہ فردوسِ قصاں

گھنیر می گھسٹاؤں میں بجلی کی چمک
یہ لب ہائے لعیں، یہ زلف پریشاں
یہ نیچی نگاہوں کا شیریں تبسم!
تمنائے گل، آرزوئے ہساراں
جبیں پر وفا کا تقاضائے مبہم
پیامِ تمنا نگاہوں میں غلطاں
مرے جامِ بشکتہ کی خیر یارب!
کہ ہے چشمِ سرشارِ محشرِ بداماں!
زہے بے نیازی! زہے دلنوازی
ہے پرشمس پہ آمادہ حسن گریزاں
بہت دن سے کشتی تھتی مرہونِ ساحل
مبارک مبارک نئی موجِ طوفاں!

غزل

خلش تیرے بے پناہ گئی
لیجیے ان سے رسم و راہ گئی

آپ ہی مرکزِ نگاہ ہے
جانے کو چار سونگاہ گئی

سامنے بے نقاب بیٹھے ہیں
دقوتِ حُسنِ مہر و ماہ گئی

اس تے نظریں اٹھا کے دیکھ لیا
عشق کی جُراستِ نگاہ گئی

انتہائے جنوں مبارک باد
پرسشِ حال گاہ گاہ گئی

مرے حبلہ باز پر دانے
اپنی سی شمع تو نباہ گئی

دل میں غنیمِ حرم سہی لیکن
ان کے کوچہ کو گریہ راہ گئی

خیر مقدم

ہر ایک حرفِ آرزو کو داستاں کیے ہوئے
زمانہ ہو گیا ہے ان کو میہماں کیے ہوئے
سرودِ عیش تلخِ حیات نے بھلادیا
دلِ حزن ہے بے کسی کو حرزِ جاں کیے ہوئے
بہارِ حُسن و دلبری کا خواب پھر سے دیکھ لوں
خیالِ حسن و دلبری کو جادواں کیے ہوئے
کلی کلی کو گلستاں کیے ہوئے وہ آئیں گے
وہ آئیں گے کلی کلی کو گلستاں کیے ہوئے

سکونِ دل کی راحتوں کو آج ان سے مانگ لوں
حدیثِ آہِ نیم شب سناؤں گی، سناؤں گی
سکونِ دل کی راحتوں کو بیکراں کیے ہوئے
زبانِ شبِ بنم و گھر کو ترجماں کیے ہوئے
وہ آرزوئے دل کی ہمتیں بڑھائیں شوق سے
غورِ عشق بے نوا کو کامراں کیے ہوئے
دورِ شوق و بے خودی ٹھہر ٹھہر دلِ حزیں!
نگاہِ شوق و بے خودی کا امتحاں کیے ہوئے
تجلیاں لیے ہوئے وہ آہے ہیں سوئے دل
نگاہ و دل کی وسعتوں کو لامکاں کیے ہوئے
وہ آئیں گے تو آئیں گے جنوں شوق اُبھارنے
وہ جائیں گے تو جائیں گے خرابیاں کیے ہوئے

متارِ صبر و ہوش کو لٹاؤں ان کی اہ میں
وداعِ صبر و ہوش کو متارِ جاں کیے ہوئے
میں ان کی بھی نگاہ سے چھپا کے ان کو دیکھ لوں
کہ ان سے بھی ہے آج رشکِ بدگماں کیے ہوئے
وقارِ عشق تو سہی، کریں وہ اعترافِ غم
نظر کو دل کی دھڑکنوں کا راز داں کیے ہوئے
سرِ نیاز و پائے نازِ استہتی عشق کی
اب انتہائے بے خودی ہے سرگراں کیے ہوئے
یہ کیفِ انتظار ہے کہ ساری عمر کاٹ دوں
نظر کو وقفِ انتظارِ دل ستاں کیے ہوئے

(۲)

پیامِ زندگی نو نہ بن سکیں صد حیف
یہ اودی اودی گھٹائیں یہ بھیگی بھیگی بہار!

(آدا)

urdukutabkhanapk.blogspot.com

تعمیر نو

شہرِ مندی کو ششِ ناکام کہاں تک
محرومیِ تقدیر کا الزام کہاں تک
دنیا کو ضرورت ہے ترے عزمِ جواں کی
سرگشتہ رہے گا صفتِ جامِ کہاں تک
کب تک ترے ہنٹول پہ حدیثِ رخِ تاباں
سر میں ترے سودائے لبِ بامِ کہاں تک
گیسوئے سیہ تاب و رخِ صائقہ پرور
یہ مرگ و حیاتِ سحر و شام کہاں تک

لیڈائے حقیقت سے بھی ہو جا کبھی دوچار
خوابوں کی حسیں چھاؤں میں آرام کہاں تک
رخ گردشِ دوراں کا پلٹ سکتا ہے تو خود
ناداں! گلہ گردشِ ایام کہاں تک
کب تک ترے سینہ میں خلش تیر مژہ کی
یاد لبِ میگوں سحر و شام کہاں تک
اے ذرّہ ناپتیر! خجل مہر کو کر دے
افتادہ و تفسیدہ و گم نام کہاں تک
جز وہم نہیں فیتہ رہ و رسم زمانہ
اے طائرِ آزاد! تہ دام کہاں تک!

کم یاب نگاہیں

ارزاں و ذنگاہیں ہیں زمانے میں کہ جن کو
ہر منظرِ خوش رنگ کے انداز لہجائیں
ہر پھول کے دامن پہ کریں ناز سے سجدہ
ہر غنچہ نوزس کو کلیجے سے لگالیں
گہ تشنگیِ خار سے لیں درسِ شکر
ذروں کو گئے ہمدم و ہمراز بنالیں
کم یاب ہیں لیکن وہ ہمال سوز نگاہیں
بڑھ کر جو کندہ انجم و نور شید پہ ڈالیں

نقشِ برآب

سال ہا سال محبت جو بُنا کرتی ہے
رشتہ قلب و نظر پیلے ریشم کی طرح
ایک جھونکا بھی حوادث کا اے کافی ہے
پہلوئے گل میں دھڑکتی ہوئی شبنم کی طرح

یہ محبت کے بنائے ہوئے ایوان بلند
ایک ٹھوکر بھی زمانے کی نہیں سہہ سکتے
آہ بگینے یہ بہت نازک و نارسہ ہیں
موج کی گود میں تا دیر نہیں رہ سکتے

گرم رفتار بک سیر کے رہوارِ حیات
آرزوؤں کے گھرنے کو یہ ڈھانے نہ کہیں
تلخ ترجم کے ہاتھوں میں نظامِ نو کے
خوابِ نوشیں کی حلاوت کو مٹانے نہ کہیں

عشق کے ہاتھ میں روشن ہے جو نمٹا سا دیا
عقل کی تندہوا اس کو بجھا ہی دے گی
تو نے دیکھی ہی نہیں پنجہِ عسرت کی گرفت
روح کو قیدِ تمنا سے چھڑا ہی دے گی

گل ہی جائے گی کسی روز جنوں کی زنجیر
وقت ہر خواب کی تعبیر بتا دیتا ہے
کروٹ میں لیتا ہے احساس جو بیداری کا
لوہیاں دے کے انگوٹوں کو سلا دیتا ہے

نقشِ برآب ہے وابستگیِ حسن و شباب
نکستِ گل کی طرح عشق ہے پابندِ ہوا
اس سے بہتر تھا کہ مجھ سے تجھے نفرت ہوتی
پھول مرجھاتے ہیں کانٹا نہیں مرجھا سکتا

تیر نفرت کا رہا کرتا ہے دل میں پیوست
شمع یہ تیر کی غنیمت میں تابندہ رہے
دستِ نفرت کی بستائی ہوئی دیوارِ آدا
سنگِ دآہن کی طرح پختہ و پائندہ ہے

عزم ہو جائیں گے افسردہ، ارادے مفلوج
گوشِ لذت کشِ گلبنانگِ جلاجل کیوں ہو
منزلیں اور بھی کتنی ہیں محبت کے سوا
روحِ آزاد گرفتارِ سلاسل کیوں ہو!

بیزاری

زیت اک خوابِ طربناک و فنوں ساز سہی
رس بھرے نغموں کی اک دلنشیں آواز سہی
فرشِ محمل بھی زرد و سیم کی جھنکار بھی ہے
جنت دید بھی ہے، عشرتِ گفتار بھی ہے
چشمِ سرشار کا اعجاز سہی
زیت اک خوابِ طربناک و فنوں ساز سہی!

قر ہے اُف یہ تسلسل، یہ تواتر، یہ جمود

یہ خموشی، یہ تسلی، یہ گرانبار سکوت
شوق کو رخصتِ پرواز نہیں
رفعتِ روح کا دروازہ نہیں
جسمِ آسودہ سہی رُوح مگر ہے بے تاب
ایک بے نام تغیر کے لیے
درد کی ٹہنی سہی لذتِ جاوید نہیں
نغمہ امید نہیں
قہر ہے اُف یہ تسلسل، یہ تواتر، یہ جمود!

سوچتی ہوں کہ کوئی جملہ تاریک ہے کیا
یہ گرانبار تسلسل
یہ حیاتِ جامد

جس کی دیواروں کی سنگینی سے لرزاں ہے خیال
کوئی روزن بھی نہیں، کوئی دریکچہ بھی نہیں
ایک دنیا ہے کہ ہے تیرہ و محدود و اداس
نور و نکست سے گریزاں، مہ و انجم سے نفور
جس کی دیواروں کی سنگینی سے لرزاں ہے خیال!
کاش پڑ جائے کہیں ایک خراش — ایک شگاف
غم کے ہاتھوں ہی سی
اور بھولے سے کبھی
کوئی آوارہ سی، چنیل سی کرن آنکھ
ایک لمحہ کے لیے
میرے تار یک گھر وندے میں اجالا ہو جائے!

یہ مرے دل کو خیال آتا ہے

دیکھ تو سرمئی آکاش پہ تاروں کا نکھار
رات کی دیوی کے ماتھے پہ چنی ہے افشاں
یا کچھ آنکھوں کے چراغ
ہیں کسی راگنذر میں لرزاں
آہ یہ سرمئی آکاش یہ تاروں کے شرار!
یہ مرے دل کو خیال آتا ہے
دم اندھیرے میں گھٹا جاتا ہے
کیوں نہ ایوانِ تصویر میں جلا لوں شمعیں

بربط و چنگ و رباب

منتظر ہیں مرے مضراب کی اک جنبش کے

زندگی کیوں فقط اک آہِ مسل ہی رہے

کیوں نہ بیدار کروں وہ نغمے

وقت بھی سُن کے جنہیں تھم جائے

رگزاروں میں یہ بہتا ہوا خوں

موت کے سامنے تلے سسکیاں بھرتی ہے حیات

اس امنڈتے ہوئے طوفان سے کنارہ کر لوں !

یہ سسکتی ہوئی لاشیں ! یہ حیاتِ مُردہ

یہ جبینیں جنہیں سجدوں سے نہیں ہے فرصت

یہ امنگیں جنہیں فاقوں نے کچل ڈالا ہے

یہ بلکتی ہوئی روئیں ! یہ تڑپتے ہوئے دل

یہ ترستی ہوئی نظریں، یہ ڈھلکتے ہوئے اشک
ان ڈھلکتے ہوئے اشکوں کو چرا کر میں بھی
اپنے ایوانِ تصور میں چراغاں کر لوں!
دیکھ کر رات کی دیوی کا سنگھار
دہم آتا ہے مگر
نغمہ و نئے کا سہارا لے کر
زندگی چل بھی سکے گی کہ نہیں
ان ستاروں کی دمکتی ہوئی قندیلوں سے
رات کے دل کی سیاہی بھی مٹے گی کہ نہیں!؟

لرزاں سائے

یہ کانپتے ہوئے تائے یہ ماہتابِ جواں
یہ ناز آفریں گل اور یہ نازیں گلیاں!
ہے ایک جلوۂ رنگیں کا منتظر بستاں
بس اک نگاہ سے محشر جگا تو سکتی ہوں
میں اپنی دنیا کو جنت بنا تو سکتی ہوں
نہیں کہ دل پہ درِ بزمِ عیش باز نہیں
حمیم شوق میں مطرب نہیں کہ ساز نہیں
مرے نیاز کو خود آرزو دے ناز نہیں
جنونِ عشق پہ میں مڑا تو سکتی ہوں
میں اپنی دنیا کو جنت بنا تو سکتی ہوں

مجھے فروغِ شبستاں کا گر خیال آئے
فرازِ چرخ سے قنیلِ ماہ آجائے
مرے جہاں میں مگر کانپتے ہیں کچھ سائے
میں آرزوؤں کی شمعیں جلا تو سکتی ہوں
میں اپنی دنیا کو جنت بنا تو سکتی ہوں
وہ سائے جن سے ابد تک مفر نہیں ممکن
یہ چاہتی ہوں بھلا دوں مگر نہیں ممکن
نظامِ جبر ہو زیر و زبر نہیں ممکن
میں اپنی بزمِ تمت سجا تو سکتی ہوں
میں اپنی دنیٰ کو جنت بنا تو سکتی ہوں

فریبِ ساغر و مینا کا دھیان آتا ہے
سرِ شکِ زر گسِ شہلا کا دھیان آتا ہے
کسی کے خونِ تمنا کا دھیان آتا ہے
میں دستِ شوق میں مندی رچا تو سکتی ہوں
میں اپنی دنیا کو جنت بنا تو سکتی ہوں
خیال آتا ہے پامالِ زندگانی کا
امیدِ دیاس کی الجھی ہوئی کمانی کا
غموں سے چور سکتی ہوئی جوانی کا
دورِ شوق میں سجدے لٹا تو سکتی ہوں
میں اپنی دنیا کو جنت بنا تو سکتی ہوں

یہ آنسوؤں کا دھندلکا سہا نہیں جاتا
سکتا چھوڑ کے آگے بڑھ نہیں جاتا
مئے نشاط کا سا غریبا نہیں جاتا
مئے نشاط کے سا غرلنڈھا تو سکتی ہوں
میں اپنی دنیا کو جنت بنا تو سکتی ہوں
نگاہ دہر سے نظریں چُرا نہیں سکتی
غم حیات کی تلخی مٹ نہیں سکتی
حقیقتوں کو فسانہ بن نہیں سکتی
خیال و خواب کی بستی بسا تو سکتی ہوں
میں اپنی دنیا کو جنت بنا تو سکتی ہوں

پہنپنے دیں گے یہ آلام روزگار کہاں
خزاں کی گود میں ہنگامہ ہزار کہاں
ہوائے دہرا مگر ان کو سازگار کہاں
ترا نہ ہائے وفا گستاخ تو سکتی ہوں
میں اپنی دنیا کو جنت بنا تو سکتی ہوں
بھٹکتا دیکھ کے میں اپنی راہ لوں ہمدم؟
سکوں کی چھاؤں میں کیونکر پناہ لوں ہمدم
کہ اتنی بھی نہیں فرصت کراہ لوں ہمدم
جوانیوں کے جواں گیت گاتا تو سکتی ہوں
میں اپنی دنیا کو جنت بنا تو سکتی ہوں

شکست ساز

میں نے گل ریز بہاؤں کی تمنا کی تھی
مجھے افسردہ نگاہوں کے سوا کچھ نہ ملا
چند سہمی ہوئی آنکھوں کے سوا کچھ نہ ملا
جگمگاتے ہوئے تاروں کی تمنا کی تھی

میں نے موہوم امیدوں کی پناہیں ڈھونڈیں
شدتِ یاس میں مہم سا اشارہ نہ ملا
ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو سہارا نہ ملا
مائے کس دشتِ بلا خیر میں راہیں ڈھونڈیں

اب فسوں ساز بہاروں سے مجھے کیا مطلب
آج ہیں میری نگاہوں میں وہ منظر توبہ
میں نے دیکھے ہیں لپکتے ہوئے نشتر توبہ
خلجہ بردوش نظاروں سے مجھے کیا مطلب
آسماں نور کے نغمات سے معمور سی
میں نے گھٹتی ہوئی چیخوں کے سنے ہیں نوحے
ہائے وہ اشک جو پلوں سے ڈھلک بھی نہ سکے
زندگی حسن و جوانی سے ابھی چور سی
کبھی صنوبر پاش ستاروں کی تمنا تھی مجھے
آج ذروں کو بھی مقصود بنا رکھا ہے
آج کانٹوں کو کلیجے سے لگا رکھا ہے
کبھی گلریز بہاروں کی تمنا تھی مجھے!

پیمانِ وفا

میں نے پیمانِ وفا باندھ لیا
ان چھینکتی ہوئی زنجیروں سے
جن کے سائے سے بھی ہے عار مجھے !

زندگی چین بھرا خواب نہ بھتی
بسترِ فحل و سجاد نہ بھتی
ساغرِ ناب نہیں، بادۂ انگور نہیں
لبِ جاں بخش نہیں، زکسِ محمور نہیں
میرا سرمایہ یہ زنجیریں تھیں
اپنے اجداد کی میراث سمجھ کر ہدم

ان چھنکتی ہوئی زنجیروں سے
میں نے پیمانِ وفا باندھ لیا

میرا یہ کلبہ تاریک — اداس
یہ عفونت زدہ پُرہول فضا
زہر آلود سہی

میرا مسکن مرے احباب کا، اجداد کا مسکن ہے یہی !
تیرگی — جس کا تصوّر بھی ہے دشوار تجھے
میری اک عمر یہیں گزری ہے
سوتھ تو دل میں ذرا
تیری دنیا ئے طرب

مہ و نور شیدہ داماں، گل و گلزار بکف

دہر میں جنتِ موعود سہی
نورِ خورشید سے شرما ئے گی، گھبرا ئے گی
میری کمزور نظر تاب کہاں لائے گی!
تو اسی حلقہ زنجیر کو دیکھ
جس کے بے رحم نشان
میرے بیمار و حزیں جسم میں پیوستہ ہیں
میرے اجداد کا پیمانِ وفا
کہیں پیمانِ وفا ٹوٹا ہے
نقشِ پائندہ ہیں زنجیر تو کٹ سکتی ہے
ذہن آزاد نہیں
تین سو سال کی دیوار بھی ہٹ سکتی ہے

اعمتزار

تم سمجھتی ہو یہ گلدان میں سنہتے ہوئے پھول
میری افسردگی دل کو مٹا ہی دیں گے
یہ حسیں پھول کہ ہیں جان گلستان بہار
میرے سوتے سوتے نفروں کو جگا ہی دیں گے

تم نے دیکھی ہیں دمکتی ہوئی شمعیں لیکن
تم نے دیکھے نہیں بجھتے ہوئے دیپک ہمدم!
وہی دیپک جو نگاہوں کا سہارا پا کر
ایک لمحے کے لیے جلتے ہیں۔ بجھ جاتے ہیں

کبھی اک اشک دھل جاتے ہیں صدیوں کے غبار
کائنات اور نکھر اور سنور جاتی ہے
کبھی ناکام تمنا کی صدائے مبہم
قہقہہ بن کے فضاؤں میں بکھر جاتی ہے
ٹوٹتے تاروں کے سنگیت نے ہیں تم نے!
وہ بھی نغمے ہیں جو ہونٹوں سے گریزاں ہی ہے
پھڑپھڑاتے ہوئے دیکھے ہیں فضاؤں میں کبھی
وہ فسانے جو نگاہوں سے بیاں ہونہ سکے

کبھی کانٹوں سے بہل جاتی ہے روح غمگیں
اور معصوم شگوفوں کی ریلی خوشبو
نیشتر بن کے رگ جاں میں اتر جاتی ہے
ہاں یہی پھول یہی جان گلستانِ بہار
ناگ بن کر کبھی احساس کو ڈس لیتے ہیں!

تہنائی

اجنبیت کے گراں بار دھند لکوں سے پرے

میں نے ڈھونڈیں تھیں وہ مانوس نگاہیں جن کو

نکھت و نور سے تعبیر کیا جاتا ہے !

نکھت و نور سے مدہوش فضاؤں کی قسم

آج تک مجھ کو وہ مانوس نگاہیں نہ ملیں

وہ نگاہیں جو نگاہوں کو سہارا دیتیں

شدتِ یاس کی ویران گزرگاہوں میں

اجنبیت کا گرا نیار الم ناک سکوت
اور بڑھتا رہا بڑھتا رہا بڑھتا ہی گیا
بزمِ مہتاب میں تاروں کے شبستانوں میں
میری ظلمت زدہ تنہائی مرے ساتھ رہی
نقرئی گیتوں کی خواب آفریں مدھم تائیں
ورد بن بن کے کیلجے کو کھرچتی ہی رہیں
دور ہنستی ہوئی شمعوں کی پسکتی کرنیں
دل کے ویرانے کو ڈستی رہیں ڈستی ہی رہیں

اجنبیت کا گرا نیار الم ناک سکوت
اور بڑھتا رہا، بڑھتا رہا، بڑھتا ہی گیا
ایک دھندلی سی کرن کی بھی نہیں ہے مرہون
میری ظلمت مری نہتائی، مری خاموشی

یہ جیون یونہی بیتے گا

اُن گنت سانسوں کی الجھی ہوئی زنجیروں میں
زندگی ہے کہ جسکڑتی ہی چلی جاتی ہے
بجھ کے رہتی بھی نہیں اور بھڑکتی بھی نہیں
آگ سی ہے کہ سلگتی ہی چلی جاتی ہے

دقت کس جنتِ موہوم کا لالچ دے کر
مجھ کو ماضی کے جزیروں سے اٹھالایا ہے
میں انہیں سیگوں کروں میں پروتی ہی رہی
میرے بکھرے ہوئے خوابوں کو چسپا لایا ہے

ذہن پر جیسے ہوں بیتے ہوئے لمحوں کے نقوش
جیسے بھولی ہوئی یادیں کسی افسانے میں
اس طرح لا کے یہاں چھوڑ گیا ہے کوئی
جیسے بھٹکا ہوا راہی کسی ویرانے میں

چلتے چلتے انہیں اُن جانی گزر گاہوں میں
دھیرے دھیرے کبھی وہ وقت بھی آجاتا ہے
کائنات ایک ہی آنسو میں سمٹ آتی ہے
زدہ اندھی کی دیا کانپ رہا ہو جیسے
تھک کر افسردہ و ویران گزر گاہوں میں
آخری عمر وفا مانپ رہا ہو جیسے

اور یہ آنسو کہ پیکوں سے ڈھکتا بھی نہیں
ہائے یہ ساغر لبیر زچھکتا بھی نہیں

پرچھائیاں

زندگی۔ زندگی کا نام نہ لے تیرگی تھی کہ نور شرمایا!
جس دیرچے تک اٹھ گئیں نظریں ایک ماتم کہہ نظر آیا
دلوں میں نکلے بے رس مدتوں موت نے بھی ترسایا
عزم افسردہ روح آزرده ہر تدبیر پہ بخت کا سایا

التجاول کا ذکر کیا کیجے

آرزوں نے خون تھکوا یا

سانس لینے نہ پائی تھی کھل کر دل میں پھانس کئی کھٹک اٹھیں
مجھے شمعوں کا جب خیال آیا چند پرچھائیاں لپک اٹھیں
مسکراہٹ سی لب پہ آئی تھی غم کی چنگاریاں بھڑک اٹھیں
دور افق پر کرن سی چمکی تھی دل کی پنائیاں دھڑک اٹھیں

ہائے جلووں کی حشر سامانی

خود نکاہیں جھپک جھپک اٹھیں

اک طرف چارہ سازی پیہم اک طرف نازِ آبلہ پائی
اک طرف حسن کے سجود و نیاز اک طرف عشق کی خود آرائی
راہ کے پیچ و خم، معاذ اللہ پاؤں تھرائے، عقل چکرائی
باگ طوفاں کی موڑ سکتی تھی جانے کیا سوچ کر میں ٹھرائی

زندگی اتنی رائیگاں تو نہ تھی

ہائے کس رگہز میں بھول آئی

افق کے پار

افق کے پار ستاروں کی خوابگاہوں میں

منوں بدوش نظارے بلا ہے میں مجھے

یہ زندگی، کہ شکستِ دوام کیسے جسے

طلسمِ بندگی صبح و شام کیسے جسے

و فورِ یاس سے سہمی ہوئی، الجائی ہوئی

رخِ امید پہ یہ بیوگی سی چھائی ہوئی

یہ اختیار پہ رسمِ درواج کے پرے

نگاہِ شوخ پہ ظالم سماج کے پرے

یہ احتیاج کے پھندے میں آرزو کا گلا
یہ مردہ ہاتھوں میں بے باک زندگی کا عصا
قدم قدم پہ سسکتی ہیں اُن گنت لاشیں
کہ بک رہی ہیں سیرِ راہِ روح کی قاشیں
یہ رہگزر مرے پائے جنوں کو اس نہیں
یہ تیرگی مری تعمیر کی اساس نہیں

افتق کے پار ستاروں کی خوابگاہوں میں
جہاں ہبشت بھی جچتی نہیں نگاہوں میں
جہاں رواج کی زنجیر کہنہ گلتی ہے
جہاں یقین کے سانچے میں آہ ڈھلتی ہے
خود آگئی کے طریقے سکھائے جاتے ہیں
نگاہِ عجز کو نشتر تھمائے جاتے ہیں

جہاں سگتے ہوئے کم نصیب اشکوں سے
چراغِ عشرتِ مغرور جل نہیں سکتے

وہیں لطیف بہارِ آفریں پناہوں میں
حیاتِ نو کے اشائے بلا ہے ہیں مجھے!

غزل

ناز فرما ہے جرأت عصیاں رائیگاں کیوں ہو زحمت یزداں
باہزاراں تلمطفِ یزداں کہیں بدلی ہے فطرتِ انساں
حسنِ رنگین و دیدہ حیراں زندگی اور اس قدر ارزاں
مجھے ساحل پہ اعتماد مگر ہے یہ تو بہینِ عظمتِ طوفاں
آپ کی سرگرائیوں کی قسم ہوں رہیں نوازشِ پہناں
زلفِ برہم ، نگاہِ ژولیدہ کس فسانے کا بن گئے عنواں !
کیوں نگاہِ کرم ہے آزرده درد ہے اب بھی آرزو سماں

زندگی مسکرا اٹھی ہے ادا

رائیگاں کیوں ہو زحمتِ مڑگاں

میرے محبوب

تیرے نوخیز شگوفوں کی ریلی خوشبو
آج بھی گیت کے سانچے میں ڈھلی جاتی ہے
آج بھی تیری فضاؤں میں پے ہیں نغے
آج بھی ہوں تری محبوب بہاریں قصاں
نکھری نکھری تری معصوم سلونی شا میں
ارغواں صبحیں رہیں آج بھی تاباں تاباں
ناز فرما ہو اسی نازِ خود آگاہی سے!
تیرے لہجے کی کھنک تیری نگاہوں کی جھپک

مرے محبوب، مرے دوست، مرے خواب، عزیز

تو جواں ہے مرا احساس جواں ہے جب تک

دیکھ تو تیرے لیے کتنی ہبائیں تج کر

میں نے اپنایا ہے تپتے ہوئے ویرانوں کو

نوجوانی جنہیں دن رات بُنا کرتی ہے

میں نے تیرے لیے ان خوابوں کو جھٹلایا ہے

کتنے بھرے ہوئے طوفانوں سے ٹکر لی ہے

کتنی بے خواب متناؤں کو ٹھکرایا ہے

اپنے بے نور گھر وندے سے چرا کر نظریں

قمقے تیرے شبستاں میں جلا رکھے ہیں

اپنے پھولوں کو گنوا کر ترے انگاروں میں

تیرے کانٹے بھی کلیجے سے لگا رکھے ہیں

کتنے بچتے ہوئے، مہنتے ہوئے ارمانوں کو
چند دانوں کے عوض بیچ دیا ہے میں نے
چند دانے ترے پندار کی قیمت تو نہیں!
تو جواں ہے مرے محبوب، مرے خواب عزیز!
میرے دل میں ترا احساس جواں ہے جب تک
چشمِ غم خوابِ گرانبار کی قیمت تو نہیں
تو مرا عزم، مرا جذبہ بے باک تو دیکھ!
دیکھ زنجیر پگھلتی ہے، گلی جاتی ہے!

غزل

فریب کاری متخیل پر جواتر اے
اب ایسے سرکش و ناداں کو کون سمجھائے

ہزار غنچوں نے چاہا الگ تھلگ رہنا
جو کوئی شوخ کرن آپ ہی الجھ جائے

گرہ کشائی شبنم کی داد کیا دیں گل
ہنسی کیساتھ ہی آنکھوں میں اشک بھر آئے

نگاہِ قہر کی گرمی کی تاب کیا لاتے
نگاہِ مہر کی شوخی سے بھی جو کھلائے

ترمی نگاہ کی حیرانیوں کے افسانے
مری نگاہ کی نادانیوں نے سمجھائے

مہمیں تو حسن کی ژولیدگی سے شکوہ تھا
ادایہ کس نے نگاہوں کے از بھلائے

قافلے

قافلے آئے گئے

قافلے آئے نگاہوں نے بکھپایا دامن

تیرہ دتار فضاؤں نے بسلا لیں شمعیں

آئینہ گردشِ ایام کو دکھلانے لگے

وقت کے لب پہ نئے زمزمے اترانے لگے

رات کے اشکِ سیہ تاب کے ساغر ڈھلکے

اُن کہے راز ستاروں کی نگہ سے چھلکے

ناز کرتا ہوا زر کارِ سبیلِ آنچل
مسکراتا ہوا مدہوشِ رسیلا کابل
داستانیں ہوتیں تصنیف بہ عنوانِ وفا
لیلیٰ شوق سے باندھے گئے پیمانِ وفا
زندگی مچلی امنگوں کا اسٹارپا کر
جاگ اٹھی پھوٹی کر نوں کا سہارا پا کر
آگ سی لگ گئی سینے میں کہتاؤں کے
زمر نے گونج اٹھے مستِ صدی خوانوں کے

قافلے آئے۔ گئے

قافلے گزرے، نگاہوں نے سمیٹا دامن
تھر تھرائے ہوئے لمحوں نے بجھا دیں شمعیں

کیف بردوش فضاؤں پہ اندھیرے لپکے
بھوت بن بن کے خلاؤں میں بگولے لپکے
راز داں تاروں کی معصوم نگاہی بھی نہیں
ظلمتِ دشت میں بھٹکا ہوا راہی بھی نہیں
بے وفا راہوں میں پسیمان سفر کھو بھی چکا
وقت کے ہاتھ میں یادوں کا دیا بھی نہ رہا
ریت کے ماتھے پہ نقشِ کفِ پا بھی نہ رہا

ریت کے ماتھے پہ نقشِ کفِ پا بھی نہ سی
وقت کے ہاتھ میں یادوں کا دیا بھی نہ سی
حوصلے اور نئی شمعیں جلاؤں گے ابھی
نئے راہی، نئی منزل، نیا سامانِ سفر

نئے پیمان، نئے عزم، نئی شانِ سفر
ظلم پروردہ تمناؤں کی شہ پائے ہوئے
سر اٹھائے ہوئے، بھرے ہوئے، تھرائے ہوئے
زخم کھائے ہوئے، کچلے ہوئے، ٹھکرائے ہوئے
یعنی ہر کام پہ منزل کی قسم کھائے ہوئے
قافلے اور اسی راہ سے آئیں گے ابھی!

اک ذرا صبر....

ہاں روح کائنات کو رقصاں کریں گے ہم
ہاں اہستہ تمام جشن بہاراں کریں گے ہم
سامان صد ہزار گلستاں کریں گے ہم
تینغ نگاہِ ناز کو عسریاں کریں گے ہم
ظلماتِ بے پناہ سے تنگ آچکا ہے دل
شمعِ حیاتِ تازہ منہ زراں کریں گے ہم
بیلانے کائنات کے گیسو سنوار لیں!
زلفِ جنوں کو سلسلہ جنباں کریں گے ہم

یہ تیرگی صبر شکن چھٹ تو لے ذرا
ذروں کو روکش مہ تاباں کریں گے ہم
اک گام اور — بڑھ کے قدم لیں گی منزلیں
آسودگان رہ کو پیشیاں کریں گے ہم
اک بار اور شدت طوفاں سے داروگیر
پھر آرزوئے گوشہ داماں کریں گے ہم
توپوں کی گھن گرج سے نبٹنے تو دیجیے
پیماں شکن سے محبت پیماں کریں گے ہم
اک بار اور کفر پہ احساں کریں گے ہم
اک بار اور بیعتِ فتر آں کریں گے ہم

شکریہ

ہاں آپ کی نوازشِ پیہم کا شکریہ!
(افسانہ بہار بھی کیسے تو کیا غضب)
مانا کہ جبرِ زلیست سے تنگ آگیا ہے دل
تاریخی دوام سے اکٹا گیا ہے دل
ہاں روحِ کائنات ہے زخموں سے چور چور
کب تک تلاشِ چارہ گرِ قلبِ ناصبور
میٹھے سروں میں گیت کوئی گنگنائیے!
محبوبہ نشاط سے اب لو لگائیے

لیتے ہیں دادِ نغمہ گراں اجل سے ہم
محرومیِ ازل کے ہیں خوگر ازل سے ہم
منزل اگر ہے دور تو کیا۔ سنگِ در تو ہے
تعبیرِ تلخ تر سے عبثِ سرگراں ہیں آپ
کیوں خوابِ دلپذیر دئے امن کشاں ہیں آپ؟
بے آبِ درنگ نقشِ نگاہوں پہ بار ہیں
اپنے ہی حد و خال سہی، ناگوار ہیں
(اب کچھ دنوں خموش بھی رہیے، تو کیا غضب)
حُسنِ بیانِ گیسوئے برہم کا شکریہ!

غزل

یہ کس کی راہ گزریں دیئے جلائے ہیں
یہ کیوں مڑہ یہ ستارے سے جھلملائے ہیں
بجھا بجھا کے چسپرائع وفا جلائے ہیں
خطا معاف سمجھ کر نسیب کھائے ہیں
ادا ادا نے چلائے ہیں بے دھڑک نشتر
سنبھل سنبھل کے نگاہوں نے زخم کھاتے ہیں
جنہیں نصیب تری کم نگاہیاں بھی نہیں
وہ کم نصیب ابھی آسرا لگائے ہیں

فریبِ ہوش کی دیوانہ ساریاں توبہ
بقدرِ حسدِ جنوں حوصلے بڑھائے ہیں
بھٹک بھٹک کے پہنچ ہی نہیں گے منزل تک
نشانِ راہ سے بچ کر تم اٹھائے ہیں
وہ اور ہوں گے کنائے سے دیکھنے والے
مری نہ پوچھ کہ طوفاں کے تازا اٹھائے ہیں
خدا نکر وہ کچھ احسانِ برق و باد نہیں
ہم آرزوئے نشیمن پہ مسکرائے ہیں
بہارِ ریزِ افق پر دھواں دھواں کیا
چمن کی خیرِ یہ کس آرزو کے سائے ہیں
فروغِ حسنِ نظر دیکھ کر رہا نہ گیا
کہاں پہنچ کے آدا پاؤں لڑکھرائے ہیں

میں ساز ڈھونڈتی رہی

بہار کھلکھلا اُٹھی

جنوں نواز بدلیوں کی چھاؤں میں

جنوں نواز بدلیوں کی چھاؤں میں بہار کھلکھلا اُٹھی

ہر ایک شاخ لالہ زار سجدہ ریز ہو گئی

ہر ایک سجدہ ریز شاخسار پر طیور چھپا اُٹھے

ہوائے مرغزار گنگنا اُٹھی

فضائے نو بہار لہلہا اُٹھی

ہوائے نوبہار میں، فضا ئے مرغزار میں جیات مسکرا اٹھی

جنوں نوازیاں بڑھیں

فسانہ سازیاں بڑھیں

ادائے ناز کی کچھ اور بے نیازیاں بڑھیں

کچھ اس ادائے ناز سے بہار کھلکھلا اٹھی

جنوں نواز اودی اودی بدلیوں کی چھاؤں میں!

مگر بہار کو ابھی تک آرزو ئے نغمہ تھی

شہیدِ کیف انتظار و جستجو ئے نغمہ تھی

میں ساز ڈھونڈنے لگی

لڑائے شوخ و مست و دلنواز ڈھونڈنے لگی

بصدِ عز و افتخار و ناز ڈھونڈنے لگی

میں ساز ڈھونڈتی رہی
بہار کی فضاؤں میں
جنوں نواز بدلیوں کی بھینی بھینی چھاؤں میں
میں محو جستجو رہی
مگر یہ میری بھول بھتی
حیات اپنی رس بھری کہانیاں سنا چکی
ہوئے مرغزار لوریاں سنا کے جا چکی
فضائے نوبہار جامِ ارغواں لٹھا چکی
بہار کی نشلی آنکھڑیوں میں نیند آ چکی
مگر میں ڈھونڈتی رہی
مجھے وہ سازِ دلنواز آج تک نہ مل سکا
وہ اودی اودی بدلیاں کہ فخرِ صد بہار تھیں

فلک کی چشمِ غولِ فناں سے اشکِ بن کے ڈھل گئیں
دکھائی دے رہی ہے کائنات کچھ لٹی لٹی
دھڑکیں کی بو سے ہے فضا کی سانس بھی گھٹی گھٹی
زمین پہ شعلہ باریاں، فلک پہ گرگڑاہٹیں
کہ سن ہے ہیں چشمِ ودل نظامِ نو کی آہٹیں
بہارِ بیت ہی چکی خزاں بھی بیت جائے گی
مگر میں لیک سوچ میں پڑی ہوئی ہوں آج بھی
وہ میری آرزو کی ناؤ کھسکے گا یا نہیں
نظامِ نو بھی مجھ کو ساز دے سکے گا یا نہیں!؟

غزل

رہ گئی شرمِ ناشکیبائی بھولنے والے تیری یاد آئی
اللہ اللہ نازِ فرمائی آنکھ جھپکی تھی زلفِ لہرائی
اس طرف چارہ سازی بہیم اس طرف نازِ آبلہ پائی
وہ بھی آزرده نگاہ رہے دل ہی تنہا نہ تھا تماشاں
زندگی تھی کہ کاملِ ہرسم آپ سلجھائی، آپ الجھائی
منزلیں بڑھ کے خود قدم لیتیں میں ہی آغِ زرم نہ کر پائی
میں نے اک گیت گنگنایا تھا بڑھ گیا اور رنجِ تنہائی
بھولنے والے بھول کر خوش تھے یاد آئی تو بار بار آئی
البتہ اتنی بے اثر تو نہ تھی ہائے پندارِ ناپذیرائی
بارِ ماہم نے پی لیے آنسو بارِ ماہم آپ کو ہنسی آئی

دل کا اندازِ شرمسار ادا

نگہ ناز بھی تو پچھپاتی

سارا

ادھر دیکھ یہ ریشمیں، مرمیں، نرم باہیں
یہ کلیوں کے گجرے، یہ حسنِ شبستاں
پچیلی، ریلی، حسیں مسکراتی ہوئی شوخ کلیوں کے گجرے
یہ حسنِ فروغِ جمالِ شبستاں
یہ مرکزِ تری آرزوئے جواں کا
یہ حاصلِ تری زحمتِ جاوداں کا
تری سینہ کو بی پہیم کا، دردِ نہاں کا
یہ قوسِ قزح کی چرائی ہوئی شوخ رنگت
یہ پھولوں کی نرمی، یہ کلیوں کی نزہت

ستاروں کی شوخی، بہاروں کی فطرت
یہ جاتی ہوئی کمکشاں کو بک گام راہیں
یہ بے چین ہیں امتحاں کو
یہی ریشمیں نرم باہیں
فردغِ ثبستاں سے اب پھیر بھی لے نگاہیں
یہ مانا کہ چشمِ فلک نے نہ اب تک جھک دیکھ پائی
مبادا پڑے بالِ ان آنسوؤں میں
نہ زخمِ نگہ آنے پائے!
مگر اب ذرا آزما ان کی ہمت
یہ مدت سے بے چین ہیں امتحاں کو
ترہ تیرہ بختی، تری بے نوائی
ترے اشکِ پیہم، تری آہ سوزاں

ترے درد کا اب بھی ممکن ہے درماں
تجھے جس سہارے کی ہے جستجو مدتوں سے
ز فیضِ مٹنا ابھی مل بھی جائے
بہت ہے کہ اب تک جواں ہیں ارادے
ذرا حوصلے دیکھ ان کے !
یہی ریشمیں، مخملیں، مرمریں، نرم باہیں
جو چاہیں
اٹھا کر ٹپک دیں زمین و زماں کو
ترے آسماں کو
ترے آسمانوں کے رازِ نہاں کو
یہ حسنِ فردوغِ جمالِ شبستاں

غزل

جواک نگاہِ فسوں کا پر گیا ہوگا
تری نگاہ کے مسترباں! کدھر گیا ہوگا
یہ اجڑا اجڑا چمن! یہ لٹا لٹا سنگار
تمہیں کہو کسے برباد کر گیا ہوگا
مرا چراغ مری تیرگی مٹانے کے!
مہتاے گھر میں اجالا تو کر گیا ہوگا
اجڑنے والوں سے پرانیوں کا حال نہ پوچھ
غورِ حسنِ تماشا سنو رہ گیا ہوگا

ہزار بار سنوارا جسے نگاہوں نے
ہزار بار وہ نعمہ بکھر گیا ہوگا
تو میرے شوق کی حیران نگاہیوں پہ نہ جا
وہ باخبر ہے جویں بے خبر گیا ہوگا
اترنے والے بھلا پار کیا اتر سکتے
نگاہِ ناز کا احسان دھر گیا ہوگا
جو اک نگاہِ حسدِ آزما پہ مرنے مٹا
وہ جینے والا بڑا نام کر گیا ہوگا
شعورِ ناز کا الزام و لفریب آدا
نہ جانے کس کی تمنا کے سر گیا ہوگا

نقربانی دھندلے

ڈھلکے ڈھلکے آنسو ڈھلکے

چھلکے چھلکے ساغر چھلکے

دل کے تھاقضے ان کے اشارے

بوجھل بوجھل ہلکے ہلکے

دیکھو دیکھو دامن اُلجھا

ٹھٹھرو ٹھٹھرو ساغر چھلکے

ان کا تھافل ان کی توجہ

اک دل اس پر لاکھ تھلکے

ان کی تمنا، ان کی محبت

دیکھو سنبھل کے، دیکھو سنبھل کے

غم نے اٹھائے سیکڑوں طوفاں
دل نے اٹھائے لاکھ محکے
پل میں ہنسناؤ پل میں رلاؤ
پل میں اجائے پل میں ہندکے
ہم نے نہ سمجھا تم نے نہ جانا
دل نے چائے لاکھ تھکے
لاکھ منایا، لاکھ بھلایا
نین کٹورے بھر بھر چھکے
کتنے الجھے، کتنے سیدھے
رستے ان کے رنگ محل کے
کڑیاں جھیلیں، پا پڑ بیلے
جھکے اب تو مکھڑا جھکے

دوین کمل

دوین کمل

گھونگٹ میں گھنیری رات لیے
آنچل میں بھری برسات لیے
کچھ پاتے ہوئے، کچھ کھوئے بھی
کچھ جاگے بھی، کچھ سوئے بھی
چنچل اوشا کے بان لیے
گھمبیر گھٹا کا مان لیے
سادن کے سبل سنگیت بھرے

کچھ مار بھرے کچھ جیت بھرے
کچھ بیٹے دنوں کی کروٹ سی
کچھ آتے دنوں کی آہٹ سی
کن گلیوں دیپ جلانے سکھی
یہ بھونرے کت منڈلانے سکھی

پسینوں سے بو بھل بو بھل

دو دین کمل !

کچھ گھبرائے ، کچھ شرمائے
کچھ شرما شرما اترائے
سکھی ! بھیدی بھید نہ پا جائے
کچھ الجھی سلجھی آسائیں
کچھ بو جھی بو جھی بھاشائیں

کچھ سمجھو بھڑے راک لیے

کچھ میٹھی میٹھی آگ لیے

انواراگ لیے بیراگ لیے

متوالے من کو روگ دیا

سکھی! کس برہمن نے جوگ لیا

تینوں سے اوجھل اوجھل

دوہین کمل!

شگوفے

یہ بہاروں کے سجیلے سپنے

یہ شگوفے، یہ لجیلے سپنے

مسکرائے تو حیا ٹوٹ پڑی

کسمائے تو ادا پھوٹ پڑی

ان کے مکھڑے کی جنوں خیز تپک

ان کے لہجے کی فسوں ساز کھنک

ان کی معصوم نگاہوں کی جھجک

یہ نزاکت، یہ لگاؤ، یہ پھبن

یہ ہنسٹے ہوئے شبنم میں بدن

آج سے پہلے نہ پچپان سکی

آج سے پہلے نہ کیوں جان سکی

آج سے پہلے بھی پھوٹے ہونگے

یہ شگوفے، یہ لجیلے سپنے

یہ بہاروں کے سجیلے سپنے

اسی شوخی، اسی رعنائی سے

یہی لہجہ، یہی لہجے کی کھنک

یہ سجاوٹ، یہ سجاوٹ کی جھمک

یہ نگاہیں، یہ نگاہوں کی جھجک

اسی معصومی و برنائی سے

شکوہ بیگانہ نگاہی کا لیے

شاخ میں پہلے بھی پھوٹے ہونگے

یہ شگوفے، یہ لجیلے سپنے

غزل

ترمی نگاہ سے روشن رہیں دلوں کے شرار
سرودنے پہ نہیں نعمتِ حرم کا مدار

یہ اور بات، نظر ہو نہ محرم اسرار
مجالِ رم، نہیں پابندِ گردشِ ادوار

اسیر رکھ نہ سکے انجم و مستمر کے حصار
تمہیں ملال مجھے نازِ حبِ راتِ انکار

مجھے حیات کی دیرانیوں کا دھیان مگر
مری نگاہ پہ ہے فرضِ احترامِ بہار

غمِ حیات کے زخموں کا اعتساب نہ کر
یہ میٹھی میٹھی نگاہوں کی بھینی بھینی پھوار

پیامِ زندگی نو نہ بن سکیں صد حیف
یہ اودی اودی گھٹائیں یہ بھیگی بھیگی بہار

خطا معاف، سنبھالے نہیں سنبھلتا دل
یہ التفاتِ گریزاں کہ ہے جنوں آثار

مجھے جمال سے بڑھ کر ہے اعتبارِ نگاہ
ترے خیال سے اب تک نہ کر سکی اصرار

مرے مذاقِ مقام آشنا کی داد تو دے
تو ادرج ماہ سے اونچا، میں خاکِ راگزار
تو میرے عزم کی پہنائیاں نہ بھانپ سکا
میں دیکھ بھال چکی تیرے ثابت دسیار

مجھے نگاہِ خرد آشنا سے شکوہ ہے
کہ ہو سکی نہ شعورِ نگاہ سے دوچار

سنے تو ہوں گے مرے نعمہ ہائے شوریدہ
ترا کمال ترنم، مرا نصیب پکار!

غزل

جل رہا ہے گلستاں چھوڑ ذکرِ آشتیاں
لُٹ رہا ہے کارواں سر جھکا سنگِ نشاں
زندگی سے سرگراں زندگی کے رازداں
آگیا ذکرِ فناں! بکٹ گئی یوں داستاں
حاصلِ آہ و فناں اک نگاہِ بدگماں
ایک آنسو، اک نگاہ داستاں در داستاں
مہنس رہی بھتی آرزو جل رہا تھا آشتیاں
حسن کی بھیگی لٹیں کب نہ تھیں شعلہ سجاں

ان کے آنے تک آدا

ختم بھتی ہر داستاں!



اُردو کتب خانہ

URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT



اُردو کُتب خانہ

URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT